آمنہ ریاض

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیو شمتی۔ ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔
معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔
فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ' وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے' آئے کت اور وسامہ' معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیو شمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔
کہانی کا دوسرا ٹریک جہاں تین بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔
صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت تائی جان ہیں اور تین بچے' رامین' کیف اور فہمیدہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔
شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہجہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں عرف مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔

باسط احمد تیسرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔۔۔ خوش نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ تنک مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں چچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور تیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیرِ زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

تیسری قسط

اس روز جب سورج طلوع ہوا اور سورج کی کرنیں بشام کے پہاڑوں کی اوٹ سے فلک بوس کی اونچی چمنیوں سے ٹکراتی ہوئی نیچے اتریں اور تالاب کے پانی پر نازک قدموں سے رقص کرنے لگیں تو چند کرنیں کھڑکی کے شیشے سے چھلانگ لگا کر اندر داخل ہوئیں اور صوفہ کم بیڈ پر بے سدھ سوئے ہوئے وسامہ کے چہرے پر پھیلنے لگیں۔

وسامہ پچھلی رات بہت پرسکون ہو کر سویا تھا۔ کرنوں کی شرارت سے وہ کسمسایا پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے پردے کی درز سے ایک روشن چمک دار دن اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ وہ صبح دم کی تازگی لیے مسکراتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا۔ پچھلے دو روز کے پریشان کن واقعات کی یاد ابھی اس کے ذہن میں ماند نہیں ہوئی تھی۔ اس نے خوب بازو پھیلا کر رات کی تھکن اتاری۔ انگڑائی لیتے ہوئے اس کی نظر آئے گت پر پڑی۔ وہ ایک صوفے پر سمٹی سمٹائی سو رہی تھی۔ سر ایک طرف کو لڑھکا ہوا تھا۔ گرم لحاف کا کچھ حصہ آئے گت کے گرد لپٹا تھا

اور کچھ سرکتا ہوا نیچے قالین پر پھیل گیا تھا۔
وسامہ کو ایک دم سے وہ تمام واقعات یاد آئے، جو پچھلی دو راتوں میں اس پر بیتے تھے۔ اس یاد کی نقوش کے ساتھ اس کا دل سہم گیا اور اس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ کھڑکیوں کے پردے اگرچہ برابر تھے، لیکن کمرے میں دن کا اجالا پھیل چکا تھا اور وہاں صرف وہ نفوس تھے وہ اور آئے کتے۔ آتش دان میں رات بھر لکڑیاں سلگ سلگ کر راکھ بن چکی تھیں اور اب ان میں زندگی کی رمق باقی نہیں رہی تھی۔
آہستہ آہستہ اس کا ڈر ختم ہونے لگا۔ دن کی روشنی میں یوں بھی یہ احساس کم رہتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ پیر نیچے رکھے، سرہانے کی طرف رکھی بیساکھی اٹھا کر ٹانگ سے جوڑی اور بنا آواز چلتا ہوا کھڑکی تک آگیا۔
باہر دن پوری طرح طلوع ہو چکا تھا۔ وسیع و عریض باغیچہ اور اس کے پیڑ پودے مسرور سے دکھائی دیتے تھے۔ تالاب کے وسط میں اپنے پنکھ پھیلائے سفید پری سنہری دھوپ کا لطف لے رہی تھی۔ یہاں سے دور فلک بوس کے مرکزی پورٹیکو میں معاویہ ملازمین کو اکٹھا کیے بات چیت کر رہا تھا۔ وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ موسم کے پیش نظر اس نے وسامہ کی لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں موٹی چھڑی تھی۔ یہ ایسی ہی ایک چھڑی تھی جو جنگل کی طرف جاتے ہوئے وہ سب جنگلی جانوروں کے حملے کے پیش نظر احتیاطاً" پکڑ لیتے تھے۔ معاویہ صبح خیز لوگوں میں سے نہیں تھا۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ وہ اتنی صبح کیسے بیدار ہوا اور جنگل کا چکر بھی لگا آیا تھا۔
وسامہ نے وہاں سے دھیان ہٹایا اور پردے کی درز کو برابر کر کے واپس صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ بیساکھی کا بکل اس نے ڈھیلا کر دیا تھا اور اب ٹانگ پھیلا کر نیم دراز ہو گیا تھا۔ وہ کمرے کی محرابی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھ رونما ہونے والے تمام تر واقعات پر غور کرنے لگا۔

✡ ✡ ✡

بیری پیر کے مزار کی کرامات یوں تو دور دور تک مشہور تھیں، لیکن سب سے بڑی کشش وہ کھٹے میٹھے بیر تھے جن کے درخت مزار کے بڑے محرابی دروازے کے دائیں بائیں لگے ہوئے تھے۔
زائرین جوق در جوق آتے، دربار میں داخل ہونے سے قبل بائیں ہاتھ والے بیری کے درخت کے نیچے بیٹھے پھولوں والے سے پھولوں کی پتیاں، حسب حیثیت قبر پر چڑھانے کی چادر، نیاز کی بوندی اور مکھانے خریدتے۔ پھر بائیں ہاتھ والے بیری کے نیچے اپنی چپلیں اتار کر ٹوکن لیتے اور بہ آواز بلند قبر میں سوئے ہوئے بابا جی کو سلام کرتے اندر داخل ہوتے۔ اندر دربار کا کھلا اور وسیع احاطہ تھا۔ جہاں فقیروں اور زائرین کا ملا جلا سا رش لگا ہوتا۔
اب آنے والے لائن سے چلتے ہوئے آتے جاتے، قبر کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے، رو رو کر گڑگڑا کر اور کچھ

تو باقاعدہ قبر کو سجدہ کرتے ہوئے قبر میں استراحت فرماتے بابا جی سے اپنی خواہش پوری کرنے کی استدعا کرتے۔ پھر چادر چڑھاتے، قبر کے متولی کو چپکے سے نذر کے پیسے پکڑاتے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ باہر نکل جاتے۔ احاطے میں فقیروں کے درمیان بوندی اور نمک پاروں کی نیاز تقسیم کی جاتی اور باہر جاتے جاتے مٹھیاں بھر بھر کر بیروں سے جیبیں اور ساتھ لائے لفافے بھر لیے جاتے تھے۔
کہنے والے کہتے تھے کہ یہ بابا جی کی بابرکت کرامات کا نتیجہ ہے کہ سارا سال ان درختوں سے پھل ختم نہیں ہوتا۔ صرف یہی نہیں وہ تو یہاں تک بھی کہتے تھے کہ یہ جو بیر اتنے میٹھے ہیں یہ بھی بابا جی کی کرامات کا ہی نتیجہ ہے۔
خوش نصیب کو بیری والے مرحوم بابا جی سے تو کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی ان کی کسی کرامت پر وہ یقین رکھتی تھی اس کی ساری دلچسپی ان بیروں میں تھی جو ہر بار مزار کے سامنے سے گزرنے پر اسے للچانا شروع کر دیتے تھے۔

سو بیری بیر کے مزار سے اس کا پرانا دوستانہ تھا جو بچپن سے چلا آرہا تھا اور جو اس وقت تک قائم رہتا تھا جب تک بیر کے درخت یہاں موجود تھے۔ وہ سب ان ہی گلیوں میں کھیلتے کودتے شرارتیں کرتے بڑے ہوئے تھے۔ سب بچے یہاں مزار تک ریس لگاتے تھے جس میں زیادہ تر وہ اور کیف ہی جیت جاتے کیونکہ ان دونوں کو ان پرانی اور تنگ چھوٹی گلیوں کے سارے راستے معلوم تھے۔ باقی بچوں کے یہاں پہنچنے تک وہ دونوں کچے بیروں سے جیبیں بھر لیتے اور پھر باقیوں کو تاک تاک کر مارتے۔

بچپن گزر گیا قیمتی یادیں چھوڑ گیا۔

واپسی پر خوش نصیب کے ذہن میں بہت سی باتیں گھوم رہی تھیں۔ گھر جانے سے پہلے اسے بیر چاہیے تھے۔ گلی نمبر سات کے چوراہے پر فریحہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ سر پر دوپٹا اوڑھے اپنی امی اور بڑی بہن ثمرین کے ساتھ آرہی تھی۔ خوش نصیب کی بچپن کی سہیلی اور پڑوسن بھی تھی۔

"ارے خوش نصیب.....!"

"فریحہ تم.....!" دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئیں جیسے برسوں بعد ملاقات ہو رہی ہو۔

"کہاں جارہے ہو تم لوگ؟" خوش نصیب نے مسکرا کر تینوں کو دیکھا۔

"ہم مزار والے بڑے بابا جی سے ثمرین باجی کے لیے تعویذ لکھوانے جارہے ہیں۔" فریحہ جوش میں بولتی چلی گئی پھر فوراً" ہی ثمرین پر نظر پڑی۔ وہ دانت کچکچا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ فریحہ نے سٹپٹا کر پہلے تھوک نگلا اور جلدی سے بولی۔

"نہیں..... نہیں..... ہم تو مزار پہ دعا مانگنے جارہے ہیں۔" بہن کی ناراضی دیکھ کر جلدی سے بات بنائی تھی۔

"اب کیا فائدہ ایسے بولنے کا۔" ثمرین نے تنگ کر کہا اور ماں سے آواز دبا کر بولی۔ "میں نے آپ سے کہا بھی تھا اس کو ساتھ لے کر نہ آئیں..... خوش نصیب کے سامنے بول دیا ہے۔ سارے محلے کو خبر مل جائے گی اب....."

خوش نصیب کو یوں بھی کان لگا کر بات سننے کا شوق تھا۔ ثمرین نے آواز دھیمی کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریحہ اگر خوش نصیب کی سہیلی تھی تو ثمرین کا یارانہ صیام سے تھا۔ جتنا صیام اسے ناپسند کرتی تھی۔ اتنا ہی ثمرین بھی اس کے بارے میں ناپسندیدگی کے خیالات رکھتی تھی۔

"فکر نہ کریں ثمرین باجی! سارے محلے کو میں نہیں بتاتی' صرف صیام کو بتاؤں گی۔ وہ تو آپ کی دوست ہے۔ اسے تو پتا ہونا چاہیے آپ تعویذ بنوا رہی ہیں۔" خوش نصیب نے سادگی سے کہا تھا۔

"ہائے اللہ..... یہ غضب مت کرنا۔" ثمرین نے سٹپٹا کر کہا پھر جھنجلا کر بولی۔ "تم تو سارے محلے میں اعلان کرو گی۔ وہ تو پورے شہر کو ہی بتا دے گی۔" دوستی ضرور تھی' لیکن دوستی سے جڑا ہوا مخصوص قسم کا عناد اور مقابلے بازی کی فضا بھی خوب گرم رہتی تھی دونوں کے درمیان۔

"ارے جانے بھی دیں ثمرین باجی...!" خوش نصیب نے نرمی سے کہا۔ "کیا ہوا جو شکل سے ہی خرانٹ لگتی ہے لیکن دل کی اچھی ہے صیام۔"

"بڑی اچھی طرح جانتی ہوں میں اس دل کی اچھی صیام کو... مجال ہے جو کسی کی خوشی برداشت ہو جائے۔" خوش نصیب کی باتوں میں آکر وہ بولتی چلی گئی۔ "مجھے تو پہلے ہی شک ہے صیام کی ہی نظر لگی ہے میری شادی شدہ زندگی کو..." خود کلامی۔

"اب بس بھی کردے ثمرین! تو تو پورا دفتر ہی کھول کر بیٹھ گئی ہے۔" اماں جھنجلا کر بولیں پھر خوش نصیب سے کہنے لگیں۔ "اے بٹی! تم اس بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا... اپنی چچی اور صیام کو جانتی ہونا... واقعی پورے محلے میں مشہور کردیں گی۔"

"فکر مت کریں خالہ! کسی سے نہیں کہوں گی۔" وہ ہنسی اور شرارت سے ثمرین کو دیکھ کر بولی۔ "وہ تو میں ثمرین باجی کو تنگ کررہی تھی۔"

ثمرین نے "ہونہہ" کرکے منہ موڑ لیا۔

خوش نصیب اور فریحہ کھی کھی کرکے ہنسنے لگیں۔ پھر خوش نصیب نے کہا۔

"میں بھی ساتھ ہی چلتی ہوں... مجھے مزار پہ جانا ہے۔"

"ہاں ہاں... کیوں نہیں۔" اماں نے کہا لیکن ثمرین اس بات سے خوش نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے ناک چڑھائی اور خوش نصیب کو گھور کر اماں کے ساتھ آگے آگے چل دی۔

"تمہاری بہن کی ناک میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟" پیچھے آتی خوش نصیب نے بڑی ہمدردی سے فریحہ سے پوچھا تھا۔

"نہیں... مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی سیٹنگ ہی ایسے ہوگئی ہے کہ ناک ہر وقت چڑھی ہوئی لگتی ہے۔" فریحہ نے بھی اس کے انداز میں کہا اور دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے زور سے ہنس دیں۔

☼ ☼ ☼

یہ چند مہینے پہلے کی بات ہے۔ جب وسامہ نے فلک بوس میں عجیب و غریب اثرات کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

ایک شام فلک بوس کے اندرونی حصوں میں دیکھ ریکھ کے خیال سے گشت کرتے ہوئے اسے بہت تیز بدبو کے بھبکے نے رکنے پر مجبور کردیا۔ اسے سخت ناگواری محسوس ہوئی لیکن بدبو کی سمت کا تعین کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس نے ملازم لڑکے پاشا کو بلوا کر تحقیق کروائی تو پتا چلا یہ بدبو تہہ خانے کی طرف جانے والے راستے سے آرہی ہے۔ کچھ اور تحقیق کی گئی تو انہیں مری ہوئی گلہریوں کا ایک ڈھیر ملا جن کے جسم اس وقت تک گل سڑ چکے تھے اور بدبو پیدا کررہے تھے۔ یہ ایسا کراہت انگیز منظر تھا کہ وسامہ کا دل برا ہوگیا اس نے بمشکل خود کو ابکائی لینے سے روکا اور ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔

"یہ کیا ہے...؟ یہاں کتنے عرصے سے صفائی نہیں ہوئی پاشا؟" وسامہ نے ناگواری سے کہا۔

"مجھے اس بارے میں پتا نہیں صاحب... آپ جانتے ہیں میں کل ہی شہر سے آیا ہوں۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"کبیر بابا کو بلاؤ۔" وسامہ نے ملازموں کے سربراہ کا نام لیا جو پاشا کے والد بھی تھے۔

"وہ شہر گئے ہوئے ہیں۔ دو دن بعد ان کی واپسی ہے۔" پاشا نے وسامہ کے ناپسندیدگی والے تاثرات دیکھ کر ذرا محتاط لہجے میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ صاحب کا موڈ خراب ہوچکا ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ فلک بوس میں

رہائش اختیار کرنے کے بعد سے یہ جگہ وسامہ کی ذمہ داری تھی۔ اور اپنے تئیں وہ یہ ذمہ داری بہ احسن نبھا بھی رہا تھا لیکن صفائی کا ناقص انتظام دیکھ کر اسے سخت کوفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وسامہ نے پاشا سے وہ جگہ صاف کروانے کے لیے کہا ساتھ ہی اسے تاکید کی کہ جب تک وہ یہاں ہے صفائی ستھرائی کے کاموں کی نگرانی کرے۔ پاشا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ مری ہوئی گلہریوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ فنائل چھڑک کر تہہ خانے کا راستہ صاف کیا گیا اور تیز خوشبو وہاں چھڑکی گئی تا کہ دوبارہ وہاں سے گزرتے ہوئے ناگواری محسوس نہ ہو' لیکن اتنی اچھی خوشبو کے باوجود وسامہ کا موڈ ٹھیک نہ ہو سکا۔ آئے کت نے اس بارے میں دریافت کیا تو وسامہ نے سارا قصہ من و عن اس کے گوش گزار کر دیا۔ ساری بات سن کر آئے کت کو ناگواری محسوس ہوئی۔

"یخ۔۔۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں بھی سوچ رہی تھی' تہہ خانے کی طرف جاتے ہوئے اتنی گندی اسمیل کیوں آتی ہے۔"

"تم تہہ خانے میں گئی تھیں۔۔۔؟"

"ہرگز نہیں۔۔۔" آئے کت نے فورا" کہا۔ "تم جانتے ہو' میں کبھی وہاں اکیلی جانے کی غلطی نہیں کرتی' فلک بوس کے اس حصے میں عجیب سی وحشت ہوتی ہے مجھے۔" اس نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا تھا۔

وسامہ اس کے انداز پر ہنسا۔ "ڈرپوک۔۔۔"

"ڈرپوک ہوں تو ڈرپوک ہی سہی۔" وہ کندھے اچکا کر لاپروائی سے بولی۔ "لیکن اکیلی تہہ خانہ تو کیا فلک بوس کے کسی حصے میں گھومنے کی ہمت نہیں کر سکتی میں۔۔۔"

"ارے ایسی کیا بات ہے یہاں؟"

"اتنی پرانی عمارت ہے یہ اور بہت عرصہ غیر آباد بھی رہی ہے۔ سنا ہے ایسی جگہوں پر بھوت پریت' روحیں بسیرا کر لیتی ہیں۔ اگر کسی روز کوئی جن میرے سامنے ہی آکر کھڑا ہو گیا تو میں تو ایک منٹ میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔"

آئے کت نے مزاحیہ سے انداز میں کہا تھا' لیکن وسامہ چونک سا گیا۔

اسے بے ساختہ بچپن میں سنی ہوئی اس ہندو عورت کی کہانیاں یاد آئی تھیں جسے ڈیڑھ سو سال پہلے فلک بوس کے تہہ خانے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ قتل کا سبب اس عورت کے کردار کا داغ دار ہونا تھا اور افواہ مشہور تھی کہ اس عورت کی روح قلعہ فلک بوس میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ گو کہ اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں تھا' نہ ہی کسی نے اب تک اس عورت کو فلک بوس میں پھرتے دیکھا تھا۔ کچھ من گھڑت سی افواہیں تھیں' جو مقامی آبادی کے لوگ ہمیشہ سے فلک بوس کے بارے میں سناتے رہے تھے۔

وسامہ کو ان افواہوں پر کبھی یقین نہیں آیا' دراصل اس نے اس بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ زندگی میں ہم بہت ساری چیزوں اور باتوں پر اس وقت تک غور نہیں کرتے جب تک ان سے واسطہ نہیں پڑتا تو یہ بھی اس کے لیے ایک ایسی ہی بات تھی' لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو مرنے کے بعد روحوں کے دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے رہ جانے کے فلسفے پر یقین رکھتا تھا۔

اس وقت اس نے سر جھٹک کر اس خیال کو رفع دفع کر دیا۔ کبیر بابا کی واپسی دو دن بعد ہوئی اور وسامہ کے باز پرس کرنے پر کبیر بابا نے کہا۔

"اس گندگی کی یہاں موجودگی حیران کن بات ہے کیونکہ کوئٹہ جانے سے پہلے میں نے اپنی نگرانی میں صفائی کروائی تھی۔" بابا کبیر نے الجھ کر اس جگہ کو دیکھا جہاں مری ہوئی گلہریوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔

"ممکن ہے آپ اس حصے کو صاف کروانا بھول گئے ہوں۔" وسامہ نے خیال ظاہر کیا۔

"مجھ سے ایسی کوتاہی سرزد نہیں ہو سکتی۔" بابا کبیر نے کہا۔ "میں ہر ہفتے نیچے وادی سے لوگوں کو اجرت پر بلوا کر

قلعے کی صفائی کرواتا ہوں۔ وہ سب میری پہچان کے لوگ ہیں چونکہ انہیں دنوں کے حساب سے اجرت دی جاتی ہے تو ان کے کام کی نگرانی بھی میں کڑی کرتا ہوں۔ کوئی حصہ مجھ سے نظرانداز ہو جائے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔" انہوں نے پورے وثوق سے کہا تھا۔

"قلعہ اتنا بڑا ہے بابا۔ کئی پوشیدہ راستے اور راہداریاں ہیں یہاں۔ ہو سکتا ہے آپ کی نظر چوک گئی ہو۔" پاشا نے کہا۔

"پاشا ٹھیک کہہ رہا ہے۔" وسامہ نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔ "فلک بوس اتنا بڑا ہے کہ میں نے بھی کئی کمرے نہیں دیکھے بلکہ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا تیسری منزل کی طرف جانے کے چار راستے ہیں۔" اب وہ تینوں ہی الجھے ہوئے نظر آنے لگے۔ پھر پاشا نے کہا۔

"بابا! جب تک میں یہاں ہوں صفائی کی نگرانی میں کروں گا۔" اسے اپنے والد کی پریشانی کی فکر تھی سو اس نے اپنی خدمات پیش کر دیں پھر وسامہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ بے فکر ہو جائیں سر! دوبارہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"شکایت کی بات نہیں ہے۔ بس میں اپنے اردگرد گندگی برداشت نہیں کر سکتا۔" وسامہ نے نرمی سے کہا' لیکن اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ بابا کبیر' معاویہ کے خاندان کے پرانے ملازمین میں سے تھے اور معاویہ بچپن سے ان سے بہت مانوس رہا تھا۔ آئے کت اور وسامہ کے فلک بوس شفٹ ہو جانے کے بعد معاویہ کی ایما پر بابا کبیر خدمت گزاری کے لیے اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ یہاں آگئے تھے۔ پچھلے دو سال سے یہ چھوٹا سا خاندان ان کے ساتھ فلک بوس میں موجود تھا۔

وسامہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے میں اس روز غصے میں کچھ زیادہ بول گیا تھا جب کہ یہ مقامی بچوں کی شرارت بھی ہو سکتی ہے۔ چوکیدار بتا رہا تھا بہت شریر بچے ہیں اس علاقے کے۔"

اب وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے واپس مڑ گئے۔ ان کے پیچھے تہہ خانے کی طرف جانے والے راستے کی راہداری کچھ دیر ان کے جوتوں اور باتوں کی آواز سے گونجتی رہی پھر وہاں سناٹا چھا گیا۔

اگلے دن سے فلک بوس کی صفائی ستھرائی کا کام مزید جانفشانی سے ہونے لگا اور وسامہ کے نزدیک بات ختم ہو گئی' لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ پریشان کن واقعات کا ایک سلسلہ تھا جو مری ہوئی گلہریوں کے اس ڈھیر سے شروع ہو چکا تھا۔

لیکن مری ہوئی گلہریوں کا ملنا ایسی کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ فلک بوس سے چند کوس دور ہشام کا جنگل تھا۔ جنگل گھنا تھا اور وہاں پہاڑی جنگلی جانور بھی پائے جاتے تھے' لیکن وہ کوئی ایسے خونخوار جانور نہیں تھے کہ ان کے خوف سے انسان ڈر کر گھر میں دبک کر بیٹھا رہے یا جنگل کی طرف جانا ہی چھوڑ دے۔ ڈیڑھ سو سال پہلے جب فلک بوس کے اصل مالک نواب صاحب یہاں رہائش پذیر رہے ہوں گے ممکن ہے اس دور میں خونخوار جنگلی جانوروں کی دہشت پھیلی رہی ہو غالباً" اسی لیے فلک بوس کے چاروں طرف لوہے کا مضبوط اور تقریباً" دس فٹ اونچا جنگلہ لگا کر جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے لیے پیش بندی کر دی گئی تھی۔ اس کے باوجود بدلتے موسموں خصوصاً" برسات کے دنوں میں جنگلی چوہے اور گلہریاں اندر گھس آتے تھے اور وافر مقدار میں خوراک نہ ملنے کے باعث یا کبھی باہر نہ نکل پانے کی وجہ سے اندر ہی دم توڑ دیتے تھے۔ اس لیے مری ہوئی گلہریوں کا ملنا کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی۔

انہونی ان گلہریوں کے کٹے سر اور منہ تھے جو کم و بیش ایک ہی انداز میں کٹے ہوتے تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ مرے ہوئے یہ چھوٹے جانور وسامہ کو ہی ملتے تھے۔ آئے کت اور فلک بوس کے چند ملازمین میں سے بھی

کسی نے آ کر مری ہوئی گلہری یا چوہے کے ملنے کی نشان دہی نہیں کی تھی۔
پہلے پہل وسامہ نظرانداز کرتا رہا' لیکن جب یہ واقعات بڑھے تو وسامہ چونک گیا۔ اب گلہریوں کے جسم گلے سڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اکثر ان کے جسم پر خون بہہ بہہ کر خشک ہو چکا ہوتا تھا۔ وسامہ کا قیاس تھا ضرور فلک بوس میں کوئی جنگلی کتا یا بلی گھس آتی ہے اور درختوں پر پھدکتی گلہریوں پر ہاتھ صاف کرتی ہے۔
ایک روز وہ اور آئے کت لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا اور گھاس خوب چمک رہی تھی۔ جب آئے کت چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔ وسامہ بری طرح چونکا۔ درخت کی کھوہ میں سر کٹی گلہری پڑی تھی اور کٹی ہوئی گردن سے بہتا ہوا خون کچی مٹی میں جذب ہو چکا تھا۔
"ڈرو مت آئے کت! یہ ضرور کسی بلی کا کام ہے۔" وسامہ نے ادھر ادھر اپنے اندازے کی درستی کے لیے نظریں دوڑائیں۔
اس وقت تک آئے کت کا ڈر کم ہو چکا تھا۔ اس نے فاصلے سے' لیکن بغور گلہری کو دیکھا۔
"میرا نہیں خیال۔۔۔ بلی کا کام ہوتا تو وہ یوں گلہری کو چھوڑ کر کبھی نہ بھاگتی۔ آخری ہڈی بھی بھنبھوڑ کر رکھ دیتی۔۔۔ یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی درندے نے اپنی نفسیاتی تسکین کے لیے اس بے چاری گلہری کا سر کاٹا ہو۔" وہ پرسوچ انداز میں بول رہی تھی۔
وسامہ کا دل ایک منٹ کے لیے بری طرح سکڑ کر پھیلا۔ اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اب غور کرنے لگا تو آئے کت کی بات درست لگی۔
"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گلہریوں کا قتل آیوشمتی کر رہی ہو۔" پاشا آئیوری کی باڑھ کے پیچھے سے نکلا۔ وہ دونوں ابھی تک اس کی وہاں موجودگی سے ناواقف تھے۔
"تم یہاں کب آئے پاشا۔۔۔! ہم نے تمہیں نہیں دیکھا۔" آئے کت نے کہا۔
"میں پچھلی کیاری کی گوڈی کر رہا تھا۔ نیچے بیٹھا ہوا تھا' اس لیے آپ کو نظر نہیں آیا۔" پاشا نے مسکرا کر کہا ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی کھرپی ان کے سامنے کی۔ اس کے ہاتھ اور کھرپی مٹی میں لت پت تھے۔
"اور یہ تم کیا کہہ رہے تھے۔۔۔ گلہریوں کے بارے میں؟"
پاشا کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔ "معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کی بات سن لی۔۔۔"
"کوئی بات نہیں۔۔۔" وسامہ نے کہا۔ "لیکن تم کیا کہہ رہے تھے؟" اسے تجسس ہو رہا تھا۔
"میں کہہ رہا تھا ہو سکتا ہے ان گلہریوں کو آیوشمتی مار رہی ہو۔۔۔ سنا ہے اس کی روح فلک بوس میں کئی سالوں سے بھٹک رہی ہے۔"
"کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔؟" آئے کت کو اس کی بات کا اعتبار نہیں آیا تھا اسی لیے اس نے پاشا کی بات کو مذاق میں لیا۔ دونوں میں سے کسی نے وسامہ کی طرف نہیں دیکھا تھا جس کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا تھا۔
"اس کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔۔۔ الٹا سیدھا بولنے کی عادت ہے اسے۔" بابا کبیر کہیں سے برآمد ہوئے اور کہا۔ لیکن ساتھ ہی پاشا کو غضب ناک نظروں سے گھورا۔ پاشا سٹپٹا گیا۔
"کہانی دلچسپ لگ رہی ہے۔۔۔ مجھے سننے تو دو۔" آئے کت نے بابا کبیر سے کہا۔
"تمہیں ہر الٹی بات میں دلچسپی ہوتی ہے۔" اچانک وسامہ نے کہا۔ اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔ "چلو اندر چلتے ہیں۔۔۔ کبیر! مجھے دوبارہ کوئی مرا ہوا جانور یہاں نظر نہیں آنا چاہیے۔" وہ اندر کی طرف مڑ گیا' کسی نے بھی محسوس نہیں کیا کہ وسامہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو چکا ہے۔
جس وقت وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے تک پہنچے' لان میں کھڑے پاشا کو بابا کبیر سے ڈانٹ پڑ رہی تھی۔

آئے کت نے دور سے ان دونوں کو دیکھا پھر وسامہ سے کہا۔
"اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔ مجھے اس عورت کے بارے میں اور جاننا تھا۔" اس نے روٹھے پن سے کہا تھا۔
"ہر چیز کے بارے میں جاننا ضروری نہیں ہوتا۔" وسامہ نے ناراضی سے کہا۔ "تم اپنے کام سے کام رکھنا سیکھو۔"

وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا' لیکن وہ نہیں جانتا تھا' آئے کت کے دل میں تجسس بیدار ہو چکا ہے۔ دو دن بعد وہ نیچے وادی میں گھومنے پھرنے گئی اور واپس آئی تو سنی سنائی کہانیوں کا ایک انبار تھا اس کے پاس۔
"یہاں تو آیو شمتی بہت مشہور ہے۔۔۔ تم نے بتایا ہی نہیں مجھے۔" وہ اپنی برساتی اتارتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولی۔
آج بارش کا دن تھا۔ وقفے وقفے سے کئی بار بارش برستی اور رکتی رہی۔ ابھی بھی کن من جاری تھی اور ٹھنڈی ہوائیں کھڑکیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔
"یہ کس نے کہا تمہیں؟" وسامہ نے پوچھا۔
"نیچے وادی میں اکثر لوگ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اکثر رات کے اندھیرے میں آیو شمتی کی روح کو فلک بوس میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔۔۔ تمہیں دلچسپ بات بتاؤں۔۔۔ وادی میں تو ایسی ایسی باتیں مشہور ہیں کہ لوگ ڈر کے مارے شام کے بعد فلک بوس کے سامنے والی سڑک سے بھی نہیں گزرتے۔۔۔ اور ایک لڑکا ہے سرخرو نام ہے اس کا۔۔۔ ایک رات اسے فلک بوس کے سامنے سے گزرنا پڑا تو آیو شمتی کی روح نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس بے چارے کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔" آئے کت اسے بتاتی چلی گئی۔
"سنی سنائی باتیں ہیں ساری۔۔۔ ورنہ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔" وسامہ نے اپنے دل کے ڈر پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کے سامنے ایک عورت تھی اور عورتیں فطری طور پر زیادہ ڈرپوک ہوتی ہیں۔ وسامہ نہیں چاہتا تھا کہ آئے کت ڈر جائے' کیوں کہ اس صورت میں ان دونوں کو فلک بوس سے جانا پڑتا اور وسامہ اسے کہیں اور لے کر نہیں جا سکتا تھا۔
"میں نہیں مانتی۔۔۔" آئے کت نے کہا۔
"تمہارے ماننے نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔ ہم اتنے مہینوں سے یہاں رہ رہے ہیں۔ ہمیں تو کبھی آیو شمتی نظر نہیں آئی۔"
"ہو سکتا ہے وہ ہمیں متوجہ کرنے کے لیے گلہریوں اور چوہوں کے سر کاٹ کر پھینکتی ہو۔"
"کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو؟"
"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آج کل وہ سامنے نہ آتی ہو۔" آئے کت پرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "ایک عورت بتا رہی تھی آیو شمتی صرف غیر آباد دنوں میں نظر آتی ہے۔ یعنی جب کوئی یہاں رہائش پذیر نہ ہو تب ہی آزادی سے گھومتی پھرتی ہے۔"
"کچھ عجیب سی روح نہیں ہے۔ جسے اپنا دیدار کروانے کے لیے تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔"
"وسامہ! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم ڈر رہے ہو؟" آئے کت نے شرارت سے اسے دیکھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وسامہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔
"آر یو شیور؟" وہ شرارت سے باز نہیں آ رہی تھی۔
"مجھے تنگ مت کرو آئے کت! مجھے آج یہ ڈرافٹ پورا کرنا ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔

لیکن جواب میں آئے کت زور سے ہنس پڑی۔ اسے پہلی بار پتا چلا وسامہ ایسی باتوں سے خوف کھاتا ہے اور یہ بڑی دلچسپ بات تھی۔ اسے وسامہ کو چڑانے کا ایک بہانہ مل گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

دربار پر معمول کا رش تھا۔

فریحہ کی امی اور بہن نے پھولوں کی دکان سے پھول اور چادر خریدی۔ نیاز کا سامان خریدا تب تک فریحہ اور خوش نصیب نے بیروں سے دوپٹوں کے پلو بھر لیے۔ فاتحہ اور چادر چڑھانے کے بعد وہ سب واپس مزار کے احاطے میں آگئیں جہاں کئی فقیر سادھوؤں کا سا حلیہ بنائے بیٹھے تھے۔ ایک بابا جی کے آگے کئی کئی زائرین جمع تھے۔ اماں اور ثمرین بھی قطار میں لگ گئیں۔ پیچھے فریحہ اور خوش نصیب تھیں۔ بیر کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ یہ طے کرنا مشکل تھا وہ بول زیادہ رفتار سے رہی ہیں یا کھا زیادہ تیز رہی ہیں۔

"خوش نصیب! تم تعویذ لکھوانے آئی ہو؟" اماں نے مڑ کر پوچھا۔

"توبہ کریں خالہ جان! میری امی بہت برا مانتی ہیں ان باتوں کا۔"

"ہاں تمہاری ماں اور مزاج کی ہے۔ ورنہ تمہاری تائی چچی تو بہت مانتی ہیں ان بابا جی کو۔"

"ہاں جی۔ پتا ہے مجھے۔" اس کا دھیان بیروں کی طرف تھا۔

"آئے میں تو کہتی ہوں تعویذ نہ سہی۔ دعا ہی کروا لو۔ بڑی تاثیر والی دعا ہے بابا جی کی۔" فریحہ کی امی ایسی اعلا پبلٹی کر رہی تھیں مذکورہ بابا جی کی کہ کوئی بھی ہو تا دعا کروانے پر مجبور ہو جاتا۔

خوش نصیب نے ہاں میں جواب دیا نہ ناں ہی کی۔ صرف بابا جی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ اسی اثنا میں ان کی باری آگئی۔ فریحہ کی امی اور ثمرین بابا جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر مؤدبانہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔ فریحہ نے بھی گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا۔ پھر خوش نصیب کے ساتھ پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"تم سلام نہیں کرو گی؟"

"کیا تو ہے۔"

"وہ یچ... گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر کرو ناں۔ ورنہ بابا جی برا مان جاتے ہیں۔" فریحہ نے آواز دبا کر کہا۔

"مانتے ہیں تو مانیں۔" خوش نصیب نے بابا جی کو دیکھتے ہوئے ناک چڑھا کر اور آواز دبا کر کہا۔ "میری روشن امی کو پتا چلا کہ میں نے کسی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا ہے تو وہ میرے ہی گھٹنے کاٹ دیں گی۔" پھر اور فریحہ کے کان میں گھس کر بولی۔

"شکل سے لگتی نہیں ہیں۔ لیکن بڑی جلاد صفت ہیں۔ مجھے اور ماہ نور کو انہوں نے ایسے پالا ہے کہ کیا ہلاکو خان نے اپنے بچے پالے ہوں گے۔"

"اچھا سر تو ڈھک لو۔" فریحہ نے پھر کہا اس کا خون نہ جانے کیوں خشک ہوا جا رہا تھا۔

"یہ پلو میں بیر ڈالے ہوئے ہیں ناں۔ ان کے وزن سے دوپٹہ ٹک نہیں رہا۔" اس نے عذر دیا۔

"ایسے نہ کرو خوش نصیب! بابا جی برا مان جاتے ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"ارے کمال ہے۔ بڑے نازک مزاج بابا جی ہیں۔ ہر بات پر برا مان جاتے ہیں۔" اس نے کس کے دوپٹہ اوڑھ لیا۔

ثمرین رو رو کر بابا جی کو اپنی غم کی داستان سنا رہی تھی۔

"میری ساس اور نندیں بڑی سخت مزاج کی ہیں۔ ابھی تو رخصتی بھی نہیں ہوئی اور انہوں نے میرے شوہر کو

میرے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ ہائے باباجی!۔ (یہ لمبی دہائی تھی دردناک) ایسے ہی حالات رہے تو "وہ" مجھے اپنے ساتھ دبئی لے کر نہیں جائیں گے۔" اسے بڑا رونا آ رہا تھا۔

فریحہ نے افسردگی سے خوش نصیب کو دیکھا۔

"ثمرین کا مسئلہ بہت بڑا ہے۔ آج کل سارا وقت روتی رہتی ہے۔ اگر باباجی کو کوئی بات بری لگ گئی تو ہرگز تعویذ لکھ کر نہیں دیں گے اور تعویذ نہ ملا تو ثمرین کے مسئلے کبھی حل نہیں ہوں گے۔" وہ خود بھی اتنی افسردہ لگ رہی تھی کہ خوش نصیب نے مزید کس کر دوپٹہ لے لیا۔

"اللہ پہ بھروسا رکھو فریحہ!۔ میری روشن امی کہتی ہیں یہ سب کمزور ایمان کی باتیں ہوتی ہیں۔"

"اچھا پلیز۔ تم اپنا درس یہاں مت شروع کرو۔" فریحہ نے اسے ——— ٹوک دیا۔ خوش نصیب کے لیے خاموش رہنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا لیکن اس وقت خاموش رہنا مجبوری بھی تھی سو دل پر پتھر رکھ کر چپ ہو رہی۔ لیکن اب اس نے باباجی کو غور سے دیکھا۔ انہوں نے ہرے رنگ کا ایک لمبا اور بے انتہا میلا سا چغہ پہن رکھا تھا، سر پر چغے کا ہم رنگ اور اتنا ہی میلا ایک رومال باندھا ہوا تھا جس کے اطراف سے گندے میلے بالوں کی لٹیں نکل رہی تھیں۔ موٹی موٹی لٹیں اس قدر آپس میں چپکی ہوئی تھیں کہ لگتا تھا مدتوں سے ان بالوں کو پانی نصیب نہیں ہوا۔ صرف بال ہی نہیں چہرہ بھی گندہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں من من سرمے کی لکیریں کھینچ رکھی تھیں۔

خوش نصیب سمجھنے سے قاصر تھی اتنے میلے آدمی سے ثمرین اور اس کی اماں کو اتنی عقیدت کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ جبکہ باباجی کے چہرے پر کوئی ایسا نور بھی نہیں ٹپک رہا تھا جو ان کی روحانیت کا ثبوت ہی دے دیتا۔

اسی وقت باباجی نے دائیں ہاتھ سے میلے ترین صندوق سے ایک پڑیا نکالی۔ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پڑیا پر پھونک کر ثمرین کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ نمک ہر کسی چیز میں ملا کر اپنی ساس کو کھلا دینا۔" آواز گھٹی ہوئی جسے اپنی طرف سے اور گمبھیر بنانے کے چکروں میں اور عجیب سا کر دیا تھا۔

پھر دوسری پڑیا اٹھائی یہ پچھلی والی سے وزن اور سائز میں بڑی تھی اسے کھولا اندر چینی تھی۔ باباجی نے اس پر بھی کچھ پڑھ کر پھونکا تھوڑی سی چینی اٹھا کر منہ میں ڈالی۔ اگلے ہی لمحے باباجی پڑیا پر جھکے اور منہ سے ساری چینی پڑیا میں باقی ماندہ چینی پر اگل دی۔

"یہ شکر اپنی نندوں کو کھلانا۔ ساری زندگی بری نظر سے تمہیں نہیں دیکھیں گی۔" خوش نصیب کا دل بری طرح متلایا۔ خود کو ابکائی لینے سے روکنے کے لیے اس نے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر سختی سے رکھ لیے۔ دوپٹے کے پلو میں جمع کیے ہوئے سارے بیر اس کے پیروں میں بکھر گئے۔ اردگرد کھڑے سب ہی لوگ حتیٰ کہ باباجی بھی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ خوش نصیب سٹپٹا کر باہر بھاگی۔ فریحہ حواس باختہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے تو خود بھی اس کے پیچھے دوڑ گئی۔ مجمع میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔

باباجی نے بغور صورت حال کا جائزہ لیا تھا۔ ایک گمبھیر سی "ہوں" کی آواز نکالی اور فریحہ کی اماں کی طرف جھک کر قدرے رازداری سے بولے۔

"لڑکی کے دل پر گہری چوٹ آئی ہے۔ اس سے پہلے کہ غم سے نڈھال ہو کر یہ خودکشی کر لے۔ کسی وقت اس کو لے کر آنا میرے پاس۔"

مزار کے باہر بیری کے درخت تلے خوش نصیب بے زار سی بیٹھی تھی۔ اتنی بری طرح دل متلایا تھا کہ طبیعت کا ستیاناس ہی ہو گیا۔

فریحہ بوکھلائی بوکھلائی سی دوڑی چلی آئی۔
"اف خوش نصیب! یہ تم نے کیا کیا؟ اب اگر باباجی ناراض ہوگئے تو؟" وہ سخت پریشان تھی۔
"ارے ہوتے ہیں تو ہو جائیں ناراض۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ "گندے کہیں کے مارے غلیظ باباجی۔"
"آواز آہستہ رکھو۔ کسی نے سن لیا تو اور مصیبت ہو جائے گی۔" اس بے چاری کی روح فنا ہو رہی تھی۔
"تمہیں بتایا تو ہے ثمرین کے مسائل بہت ہیں۔ اس کی ساس نندیں گھور گھور کر دیکھتی ہیں ثمرین کو۔"
"بس۔ خاموش۔" اس نے ڈپٹ کر فریحہ کو بولنے سے روک دیا۔ "تمہارے ان باباجی کے نمک چینیوں سے کچھ نہیں ہونا۔ ثمرین سے کہو مٹھی بھر سرخ مرچیں جا کر ان کی آنکھوں میں ڈال دے۔ آنکھیں بچیں گی تو اسے گھور گھور کر دیکھیں گی۔ ہونہہ۔ آئیں بڑی۔ باباجی سے تعویذ لینے والی۔ اس سے تو اچھا تھا ثمرین میرے پاس آگئی ہوتی۔ ساس نندوں سے نمٹنے کے ایک سو ایک طریقے بتا دیتی' کم سے کم یہ گندی چینی تو نہ دیکھنے کو ملتی۔ اونہہ۔"
جھنجلاہٹ اور ناراضی سے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آئے کت اب اکثر آیو شمتی کا ذکر کر کے وسامہ کو چڑانے لگی۔ وہ ہر دوسرے دن آیو شمتی کا کوئی قصہ وادی سے سن کر آتی اور مزے لے لے کر وسامہ کو سناتی۔ ایسا کرتے ہوئے اسے ہرگز احساس نہیں تھا مذاق میں کی جانے والی یہ باتیں آنے والے دنوں میں اس کے اور وسامہ کے لیے کتنا بڑا خطرہ بننے والی ہیں۔ اگر اس کی چھٹی حس کوئی اشارہ دے دیتی تو یقیناً" وہ یہ ذکر کرنا چھوڑ دیتی۔
چند روز یہ مذاق چلتا رہا پھر اس کا لطف دم توڑ گیا۔ ان ہی دنوں معاویہ نے آئے کت کے لیے سوئیٹر بننے کی مشین بھجوادی۔ آئے کت نٹنگ کا بہت بہترین کام جانتی تھی' یہ کام اس نے اپنی مرحوم ترک ماں سے سیکھا تھا۔ جب سے وسامہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ دونوں معاشی اعتبار سے زبوں حالی کا شکار ہوئے تھے آئے کت اپنے اس ہنر کے ذریعے پیسہ کمانے کا ارادہ رکھتی تھی' بدقسمتی سے ان دونوں کے پاس اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ وہ کوئی چھوٹی موٹی استعمال شدہ نٹنگ مشین خرید لیں۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی معاویہ ان کے کام آیا تھا اور اس نے مشین' اون اور ضرورت کا دیگر سامان بھجوا دیا تھا۔
آئے کت اور وسامہ دونوں ہی معاویہ کے بے حد مشکور ممنون ہوئے جس نے برے وقت میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ وسامہ کے لیے وہ سگے بھائی سے بڑھ کر مددگار ثابت ہو رہا تھا۔ آئے کت مشین کے آتے ہی پہلے دن سے کام میں جت گئی۔ وہ کم وقت میں زیادہ ڈیزائن تیار کرنا چاہتی تھی تاکہ جلد از جلد کوئی ڈیلر تلاش کیا جا سکے اور اس کے بنائے ہوئے ڈیزائنز کو فروخت کے لیے مارکیٹ میں بھیجا جا سکے۔ اپنی مہارت کی بنا پر وہ پر یقین تھی کہ یہ کام وہ جلد ہی کر لے گی۔ معاویہ سے اس بارے میں اس کی بہت تفصیل سے بات چیت ہوئی تھی اور معاویہ نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کا منیجر بہت جلد آئے کت کے اس چھوٹے سے کاروبار کے لیے ڈیلرز ڈھونڈ دے گا۔ معاویہ کی یقین دہانی کے بعد سے وسامہ اور آئے کت بہت پر یقین ہو گئے تھے۔
آئے کت کے مصروف ہونے سے قبل ہی مری ہوئی گلہریوں کے ملنے میں کمی آگئی تھی لیکن وسامہ کے دل میں خدشہ سا بیٹھ گیا تھا وہ ہر دوسرے دن پورے فلک بوس کا ایک چکر ضرور لگاتا تھا۔ اس کی راہداریوں میں گھومتا پھرتا کمروں میں جھانکتا تھا۔ لیکن لاشعوری طور پر اس نے گھومنا پھرنا کم کر دیا۔ اس نے کبھی کسی سے کہا نہیں لیکن بچپن میں سنے اور پڑھے ہوئے جن بھوتوں کے قصے کہانیاں اس کے ذہن و دل پر ایسا گہرا تاثر چھوڑ چکی تھیں کہ ان کا اثر ستائیس سال کی عمر میں بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مرے پر سو درے یہاں ایک اصلی روح کا

ذکر ہو رہا تھا جس کے بارے میں وادی کے چند لوگوں کا دعویٰ تھا وہ اسے دیکھ چکے ہیں۔ وہ اپنے ڈر کا ذکر بھی کسی سے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں اسے بزدل سمجھا جانے لگتا اور یہ بات اس کی مردانگی کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ اس نے اپنے دل میں بیٹھے اس ڈر کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ہر دوسرے تیسرے روز کچھ نہ کچھ ایسا ہونے لگا کہ ڈر کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

کیف نے دور سے دیکھا۔ خوش نصیب بیری پیر کے مزار کے باہر درخت کے نیچے جھنجلائی ہوئی بیٹھی تھی۔

اس کے لبوں سے سکون کی ایک سانس برآمد ہوئی۔ اسے دیکھ کر سر سے مانو ایک بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔ اب وہ سکون سے اس کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں فریحہ کی نظر اس پر پڑی اس نے کیف سے بھی زیادہ سکون کی سانس لی۔

"شکر ہے کیف! تم آگئے۔ سنبھالو اس مصیبت کو۔ ہر ایک کے بنتے کام بگاڑ دیتی ہے۔" وہ بھی جھنجلا گئی تھی، کہہ کر اندر چلی گئی۔ خوش نصیب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم کب آئے؟" وہ حیران ہوئی۔

کیف نے جواب دینے کے بجائے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"کہاں تھیں تم؟"

"یہیں تھی۔ میں نے کہاں جانا ہے؟" وہ منہ بنا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"تمہیں ذرا بھی اندازہ ہے کتنے گھنٹوں سے گھر سے نکلی ہوئی ہو تم۔ روشن چچی اور ماہ نور کتنا پریشان ہیں تمہارے لیے۔ ان دونوں کا کیا قصور ہے کہ کبھی نانی کے لیے پریشان ہوں تو کبھی تمہارے لیے۔" وہ بہت سنجیدہ اور ناراض لگ رہا تھا۔

خوش نصیب نے نظریں بھی نہیں ملائیں ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ تھی۔

"اب کیا ساری رات یہیں گزارنی ہے؟" کیف نے اس بار غصے سے کہا تھا۔ "اٹھو۔ گھر چلو۔" ڈپٹ کر بولا۔

"مجھ سے چلا نہیں جائے گا۔" خوش نصیب نے روٹھے پن سے کہا۔

"گود میں اٹھا کر نہیں لے جاؤں گا میں۔" کیف نے صفاچٹ جواب دے دیا۔ "اپنا وزن دیکھو اور میری صحت دیکھو۔ محبت اپنی جگہ لیکن خود پر ظلم نہیں کر سکتا میں۔" یہ آخری جملہ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

خوش نصیب نے بدمزہ ہو کر اسے دیکھا۔

"اوہو۔ یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" وہ خود شرمندہ ہو گئی۔ "پہلے بوتل پلاؤ۔ دل گھبرا رہا ہے میرا۔ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔"

کیف نے دیکھا اس کی رنگت واقعی زرد ہو رہی تھی۔ وہ جا کر قریبی بیکری سے کولڈ ڈرنک لے آیا۔ ڈھکن کھول کر اسے دیا۔ وہ غٹاغٹ آدھی بوتل چڑھا گئی۔

"ہائے۔ شکریہ کیف! ایمان سے اس وقت اتنے اچھے لگ رہے ہو کہ کیا بتاؤں۔ کولڈ ڈرنک کی بہت ضرورت تھی مجھے۔"

وہ کسی بھی وقت کچھ بھی بول دیتی تھی اس کی ذہنی حالت پر شک کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن کیف حیران ہو رہا تھا۔

"ہوا کیا ہے تمہیں؟"

"بس کچھ نہ پوچھو میری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہو رہی ہے۔" اس نے ناک چڑھائی' دل دوبارہ متلانے لگا تھا سو جلدی سے دو گھونٹ مزید بھر لیے۔

کیف اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر اس کے ساتھ ہی درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

مزار پر لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا سو اس طرح کسی کا بیٹھے رہنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

"تم واپس کیوں آگئے؟" اس نے دوبارہ سوال کیا اور کولڈ ڈرنک کی بوتل اس کی طرف بڑھادی۔

"کیونکہ میں جانتا تھا۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔" اس نے بوتل منہ سے لگالی۔

خوش نصیب خاموش ہی رہی۔

کیف نے دو تین بڑے بڑے گھونٹ بھر کر ڈھکن بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی چھوٹی سی بات کا اتنا غصہ؟" سوال تھا یا غیر معمولی رویے کی نشاندہی۔ جو بھی تھا بس یہ تھا کہ اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

خوش نصیب کی ناراضی بھی ماند پڑنے لگی۔

"یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔" اس نے زور دے کر لیکن دھیمے لہجے میں کہا۔ "پورے پورشن کے نام پر وہ ایک بڑا کمرہ ہی تھا ہمارے پاس۔ وہ بھی فضیلہ چچی کے مہمان کے لیے خالی کروالیا گیا۔ سب مل کر زیادتی کر رہے ہیں ہمارے ساتھ۔"

کیف کچھ دیر خاموش ہی رہا' خوش نصیب کی بات غلط نہیں تھی۔

"تم اوپر کے کمرے میں نہیں رہنا چاہتیں؟" اس نے پوچھا۔

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟" اس نے طنز سے ہنس کر کہا۔ "ہوگا تو وہی جو باقی سب فیصلہ کر چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے اب تک تو روشن امی اور ماہ نور نے وہ کمرہ صاف کر کے ہمارا سامان وہاں پہنچا بھی دیا ہوگا۔"

کیف کو اس بار بھی خاموش رہنا پڑا کیونکہ خوش نصیب کا اندازہ غلط نہیں تھا۔

وہ کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے آگے کو جھک کر بیٹھا ہوا تھا اور کولڈ ڈرنک کی بوتل کو دونوں ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

"تم ایسا کرو میرے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد کیف نے کہا۔ "چار لوگوں کے حساب سے وہ تھوڑا چھوٹا کمرہ ہے لیکن کسی طرح ایڈجسٹ کر لینا۔ کم سے کم اوپر والے کمرے سے تو کہیں بہتر ہوگا۔"

خوش نصیب نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "اور تم؟"

"میں تو پہلے ہی یہاں کم رہتا ہوں۔ فائنل پراجیکٹ کے سلسلے میں اگلے دو مہینے آنا اور بھی مشکل ہوگا۔ اور دو مہینے بعد تو فضیلہ چچی کا مہمان چلا ہی جائے گا۔"

خوش نصیب کو یہ آئیڈیا مناسب لگا' وہ غور کرنے لگی۔

"لیکن۔" کن انکھیوں سے کیف کو دیکھا۔ "لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تم دو مہینے گھر ہی نہ آؤ۔ اور جب آؤ گے تو کہیں نہ کہیں تو رہنا ہوگا۔"

"یار! خوش نصیب! پورا گھر میرا ہے۔ کسی بھی کمرے میں رہ لوں گا۔" اس نے قدرے جھنجلا کر کہا تھا۔

خوش نصیب کو بے ساختہ اس پر رشک آیا۔ کتنا پر اعتماد تھا وہ۔ کیسے حق سے کہہ رہا تھا کہ کسی بھی کمرے میں رہ لے گا۔ جب کہ وہ کبھی ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔ فضل منزل میں رہتے ہوئے بھی اسے اور ماہ نور کو اتنا اختیار دیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ حق جتا پاتیں۔

کیف اپنی دھن میں بولتا چلا جا رہا تھا۔

"اور یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے۔ کہیں اور جگہ نہ ملی تو فہمینہ کے کمرے میں میٹرس ڈال لوں گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" خوش نصیب نے پرسوچ انداز میں کہا اب وہ پرسکون نظر آرہی تھی۔
"اب مسئلہ حل ہوگیا تو گھر چلیں؟" کیف نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔
"لیکن۔ روشن امی نہیں مانیں گی کیف!" اسے پھر مایوسی نے گھیر لیا۔
کیف نے بے ساختہ اپنی ہتھیلی پیشانی پر ماری۔ "انہیں میں منالوں گا۔ فی الحال تم تو گھر چلو۔ کسی کو نہیں پتا تم گھر سے غائب ہو۔ روشن چچی نے رازداری سے مجھے بھیجا ہے۔"
"وہاں۔ چلو چلو۔" اس نے کھڑے ہو کر جلدی جلدی پاؤں میں سلیپر ڈالے اور اس کے ساتھ چل دی۔
"ویسے ایک بات ہے کیف!" اچانک پھر سے کچھ یاد آیا تو تھم سی گئی۔
کیف جھنجلا کر مڑا۔ "اب کیا ہے؟"
"تم اتنے "برے" نہیں ہو جتنے شکل سے لگتے ہو۔" ایسے کہا جیسے بڑی پتے کی بات بتائی ہو اور وہ بھی بنا کسی شرمندگی کے۔
کیف نے اسے گھور کر دیکھا پھر زیرلب مسکرایا اور بولا۔ "اور تم بھی اتنی "اچھی" نہیں ہو جتنی شکل سے لگتی ہو۔"
خوش نصیب کو زور سے ہنسی آگئی سو وہ دل کھول کر اور اپنی ہتھیلی پر ہاتھ مار کر ہنسی۔ کیف کی مسکراہٹ گہری ہنسی میں ڈھل گئی۔
یوں حساب برابر ہوا اور دونوں اچھے بچوں کی طرح گھر کی طرف چل دیے۔

☼ ☼ ☼

بشام کا موسم زیادہ تر سرد رہتا تھا لیکن راتیں بہت یخ بستہ ہوتی تھیں۔ ہر دوسرے تیسرے روز بارش ہو جاتی۔ تیز ہواؤں کا طوفان پہاڑوں سے سر ٹکراتا پھرتا۔ صبح سورج نکلتا پانی سے خالی باقی ماندہ بادل سورج کی تپش سے پگھل جاتے اور چمکتی دھوپ چنار کے درختوں کے پتوں کو اور بھی سرسبز شاداب کر دیتی۔
اس رات بھی طوفان آیا۔ آسمان پر بجلی کے کوڑے برس رہے تھے اور تیز ہوائیں در و دیوار سے سر ٹکراتی پھرتی تھیں۔ وسامہ نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ طوفان کے شور سے لبریز پراسرار رات فلک بوس کے دالان میں اتر آئی تھی۔ اس نے پردہ برابر کر دیا اور ٹی وی دیکھنے کے ارادے سے دوسری سمت بڑھا۔ لیکن ابھی اس نے دو ہی قدم بڑھائے تھے کہ کھڑکی پر دستک ہوئی۔ وسامہ چونک کر پلٹا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ بری طرح حیران ہوا۔ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ذرا آگے ہو کر بند شیشے سے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے اب بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔
اس نے پردہ برابر کیا اور واپس ہوا اس بار پھر اس کے پلٹتے ہی شیشے پر دستک ہونے لگی۔
وسامہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بار وہ پردہ ہٹائے۔ لیکن دستک بڑھتی جا رہی تھی۔ وسامہ نے ہمت جمع کی اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ پردہ سرکا دیا۔ پردہ ہٹتے ہی دستک بند ہو گئی۔ صرف یہی نہیں باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ وسامہ کا دل بری طرح دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی اور تیز ہوا پیڑ پودوں سے سر پٹخ رہی تھی۔ وسامہ کا ایک ہاتھ ابھی تک پردے کو پکڑے ہوئے تھا اور جوں ہی پیچھے ہٹنے لگا بند شیشے کے دوسری طرف ایک دم سے پاشا سامنے آگیا۔ یہ سب اتنا غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ وسامہ بری طرح دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا ابھی سینے سے باہر آجائے گا۔

دل کی دھڑکن کو نارمل ہونے میں چند لمحے لگے۔پاشا باہر زور زور سے کچھ بول رہا تھا شیشہ بند ہونے کی وجہ سے آواز نہیں آرہی تھی۔ وسامہ کو اس پر غصہ آیا اس نے جا کر دروازہ کھول دیا۔ پاشا کھڑکی کے پاس سے گھوم کر دروازے کی طرف آگیا تو وسامہ نے ناراضی سے کہا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تم کیوں بار بار کھڑکی بجا رہے تھے؟" اس نے غصے سے کہا۔

پاشا برآمدے سے آیا تھا لیکن تیز ہوا نے بارش کی بوچھاڑ سے اس کو بھی بھگو دیا تھا۔ وہ اندر آکر جلدی جلدی اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا۔ اس سوال پر ہونق سا بن کر وسامہ کو دیکھنے لگا۔

"میں نے کھڑکی نہیں بجائی۔" اس نے کہا۔

"جھوٹ مت بولو۔ تم مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔" وسامہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔

دوسری جانب پاشا بری طرح سٹپٹا گیا۔

"نن۔ نہیں صاحب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بابا نے مجھے آپ کے بیڈروم کی کھڑکی کی چوکھٹ کی لکڑی درست کرنے بھیجا تھا۔ میں آیا تو آپ کھڑکی کے پاس کھڑے تھے۔ اس لیے میں سیدھا کھڑکی کی طرف آگیا۔ میں قسم کھاتا ہوں میں نے دستک نہیں دی۔ میں تو ابھی آیا ہوں۔" وہ وضاحتیں دینے لگا۔

"جاؤ جا کر لکڑی ٹھیک کرو۔" وسامہ کو پاشا کی باتوں پر اعتبار نہیں تھا سو اس نے ناراضی سے کہا۔

"اور سنو۔" پاشا نے جوں ہی قدم بڑھائے وسامہ نے کہا پاشا رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"لکڑی ٹھیک کر کے اسی راستے سے واپس جانا۔ میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"جی بہتر۔" وہ جلدی سے آگے چلا گیا۔

وہ گیا تو آئے کت آگئی۔ وسامہ نے ساری بات اسے بتائی اور کہا۔

"میں تو اسے اچھا لڑکا سمجھی تھی لیکن یہ تو بہت شرارتی نکلا۔ تم کل اس کی شکایت بابا کبیر کو لگانا۔" آئے کت نے بھی ناراضی سے کہا۔

"ہاں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔" وسامہ نے کہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ بے ارادہ نظر اٹھا کر دیکھا تو آئے کت صوفے کے ہتھے پر کہنی ٹکائے ہتھیلی پر چہرہ جمائے شرارت سے مسکراتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"دیکھ رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں۔" اس کی شرارتی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"کیا؟" وہ چونکا۔

"یہی کہ تم کتنے ڈرپوک ہو۔" اس نے کہا۔ لمحہ بھر کا توقف کیا اور اگلے ہی لمحے زور سے ہنس پڑی۔

وسامہ جھینپ کر ہنس دیا۔ وہ ڈرپوک تھا اس میں تو کوئی شک نہیں تھا۔

لیکن اگلے روز بابا کبیر سے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جو بھی اس رات ہوا پاشا باپ کو اس کے بارے میں آگاہ کر چکا تھا۔ وسامہ سے سامنا ہوتے ہی وہ وضاحتیں دینے لگے۔ ان کا کہنا تھا' وہ رات کو پاشا کے ساتھ آئے تھے لیکن چونکہ اندر ان کا کوئی کام نہیں تھا اس لیے وہ کچھ فاصلے پر ہی رک گئے تھے اور جس وقت وسامہ نے اندر سے پاشا کے لیے دروازہ کھولا بابا کبیر کچھ فاصلے پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے اگر پاشا نے مسلسل کھڑکی پر دستک دی ہوتی تو ضرور یہ بات ان کے نوٹس میں آجاتی۔

وسامہ کو ان کی باتوں کا یقین کرنا ہی پڑا۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ بے چارہ بہت گھگھیا کر بول رہا تھا' اس لیے بھی کیونکہ وہ معاویہ کے پرانے اور قریبی ملازمین میں سے تھے۔ اور معاویہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔

"میں تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر پاشا نے کھڑکی پر دستک نہیں دی تو وہ کون تھا جو

اشارے کرتا بولتا گیا۔
روشن امی نے پریشان ہو کر خوش نصیب کو دیکھا جس کے چہرے پر طبیعت خرابی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔
"نہیں۔ کیا کہہ رہے ہو؟ اوہ ہاں ہاں۔ میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی روشن امی! ابھی تک سر چکرا رہا ہے۔ اتنی زور کی چوٹ لگی مجھے۔ ہائے۔" ایک دم سے کیف کی بات سمجھ کر اس نے جو سر پکڑ کر کراہنا شروع کیا تو روشن امی کو تو یقین آیا سو آیا۔ کیف کے لیے اپنی بے ساختہ ہنسی چھپانا مشکل ہو گیا۔ اس بے چارے نے رخ بدل کر اپنی امنڈتی ہنسی چھپائی تھی۔
"چوٹ؟" روشن امی نے تعجب 'نا سمجھی اور فکر مندی سے دوہرایا اور سوالیہ نظروں سے کیف کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کیف سے کوئی جواب بن پاتا خوش نصیب جلدی سے بولی۔
"موٹر سائیکل نے ٹکر ماردی تھی۔ فٹ پاتھ پہ سر لگا میرا۔" جھوٹ میں سچائی کے رنگ بھرنے کے لیے اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔
"کیا ہو گیا ہے خوش نصیب!" روشن امی فکر مندی سے جلدی سے آگے بڑھیں اور سہارا دے کر اسے چارپائی پر بٹھایا۔ تشویش سے سر اور ماتھے کا جائزہ لیا اور الجھ کر بولیں۔
"چوٹ کا کوئی نشان تو نظر نہیں آرہا؟"
کیف بھی پلٹا یا لیکن اس بار بھی فراٹے سے جواب خوش نصیب نے ہی دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آ... اوہ... اندرونی چوٹ ہے ناں... باہر سے کیسے نظر آئے گی... بس مجھے بہت زور زور سے چکر آرہے ہیں۔"
"ہائے میری بچی...!"
"فکر مند نہ ہوں روشن امی! میں ٹھیک ہوں اب۔" اس نے آواز میں نقاہت بھر کر کہا۔ "لیکن یہ سامنے والا دروازہ کیوں گھوم رہا ہے؟"
"دروازہ نہیں گھوم رہا 'تمہیں چکر آرہے ہیں اس لیے گھومتا ہوا لگ رہا ہو گا۔ تم لیٹ جاؤ۔"
انہوں نے زبردستی اسے لٹانے کی کوشش کی۔
"دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا تم نے... اب بھی کیا وقت ہو گیا ہے... کمزوری سے چکر آرہے ہوں گے۔" وہ فکر مندی سی بول رہی تھیں۔
"کمزوری تو بہت ہو رہی ہے... ہائے ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتی 'مجھے یخنی اور دیسی انڈہ کھلانا ہے... ہائے۔" وہ ہائے ہائے کرتی پلنگ پر ڈھے ہی گئی۔ کوئی دیکھتا تو پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اسے واقعی چوٹ لگی ہے یا ڈراما کر رہی ہے۔
"فکر نہ کرو میری بچی! میں دیسی مرغی کی یخنی بھی بنا کروں گی تمہیں..." وہ اپنی ناراضی بھول بھال کر فکر مند ہو گئی تھیں۔
کیف کے لیے اب مزید اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ "چچی! میں صبح آؤں گا۔" کہہ کر جلدی سے باہر نکل گیا اور باہر جا کر خوب ہنسا۔ اس روز کیف نے اعتراف کیا وہ خوامخواہ خوش نصیب کو لطیفہ کہتا تھا وہ تو لطیفوں کی پوری کتاب تھی۔

تھوڑی دیر بعد روشن امی کی ہدایت پر ماہ نور اسے خود چمچ بھر بھر کے یخنی پلا رہی تھی۔ خوش نصیب بیماروں کی طرح تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ چہرے پر اس نے خوب کمزوری والے تاثرات سجا رکھے تھے۔ روشن امی دوسری طرف پلنگ پر بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھیں۔

دوسرے تیسرے چمچ پر خوش نصیب جھنجلا کر لیکن آواز دبا کر بولی۔ "کیا چمچ بھر بھر کے صرف یخنی پلاتی جا رہی ہو۔ تھوڑی بوٹی بھی ڈال دو۔ پتا بھی ہے خالی پانی جیسی یخنی میرے حلق میں پھنس جاتی ہے۔"

"دنیا کی تم واحد انسان ہو جس کے حلق میں یخنی پھنس جاتی ہے۔" ماہ نور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں تو میں منفرد جو ہوں۔" بڑے انداز سے گردن ہلا کر بولی۔ "وَن اینڈ اونلی۔ دنیا میں ہے کوئی ایسا جو خوش نصیب کا مقابلہ کر سکے؟"

ماہ نور نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ "مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تمہیں کوئی چوٹ ووٹ نہیں لگی۔ ذرا سی خراش لگ جائے تو آسمان سر پر اٹھا لیتی ہو۔ سچ مچ ایکسیڈنٹ ہوا ہوتا تو چار دن تمہارے آنسو نہیں رکنے تھے۔"

"کس قدر ذہین ہو تم ماہ نور!" مصنوعی رشک آمیز انداز میں مسکرا کر اس نے ماہ نور کو دیکھا۔

ماہ نور نے چمچ پیالے میں پٹخا اور اسے ایک چپت لگا کر بولی۔

"اور کس قدر کمینی ہو تم۔ گھنٹہ بھر سے مجھے اپنی خدمتوں میں لگا رکھا ہے۔ کبھی یہ چیز لاؤ۔ کبھی وہ چیز کھلاؤ۔ پتا نہیں سکتی تھی کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔"

"بیٹا! ابھی تو تمہیں میں اور تنگ کروں گی۔ کیسے مجھے دیکھ کر منہ بنایا تھا۔ آئی بڑی خوش نصیب کو نخرے دکھانے والی۔" اس نے دانت پیس کر اپنے عزائم کا اظہار کیا۔

ماہ نور نے اس کی ڈھٹائی پر اپنا ہی سر پیٹ لیا۔ "بجائے اس کے کہ تھوڑا سا شرمندہ ہو لیا جائے۔ تم مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہی ہو؟"

"ماہ نور! تم بہت بولتی ہو۔" اس نے اپنا سر پکڑا۔ "پتا بھی ہے میں بیمار ہوں۔ پھر بھی پٹر پٹر بولے جا رہی ہو۔ اف سر میں درد کر دیا ہے۔"

"بہانے بنانا بند کرو اور اٹھ کر برتن دھوؤ۔ کمرہ صاف کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔" ماہ نور نے کہا۔

"میری بلا سے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔ "ویسے بھی ڈاکٹر نے مجھے برتن اور کپڑے دھونے سے منع کیا ہے۔"

"کیوں؟" اس بات پر ماہ نور کو شاک سا لگا تھا۔

"میرے سر پر چوٹ لگی ہے اور دماغ کا ڈائریکٹ تعلق ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں بالکل صحت یاب نہیں ہو جاتی نہ کپڑے دھوؤں نہ برتن۔" اپنی طرف سے بڑی سائنس جھاڑی تھی اور کسی کا متفق ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔

"اچھا اب باتیں کم کرو اور یخنی میں اور بوٹی ڈال کر لے کر آؤ۔ پتا بھی ہے مجھے کتنی ویک نیس ہو رہی ہے۔" اس نے دوبارہ آواز میں نقاہت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ماہ نور ایسے سر ہلا کر رہ گئی جیسے کہہ رہی ہو "خوش نصیب تیرا کوئی علاج نہیں۔"

☆ ☆ ☆

وسامہ کی وہ رات بہت بے چینی میں گزری۔ وہ جلد از جلد سرخرو نامی اس لڑکے سے ملنا چاہتا تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ روح شام کے بعد فلک بوس کے سامنے والی سڑک سے گزرنے کے جرم کی پاداش میں اس

پر حملہ کر چکی ہے۔ لیکن وہ لڑکا اپنے خاندان کے باقی افراد کے ساتھ بشام سے نقل مکانی کر چکا تھا۔ وسامہ سے ملاقات اس کی قسمت میں نہیں تھی۔

جس وقت کبیر نے وسامہ کو یہ ساری بات بتائی وسامہ لان میں کین کی کرسی پر فکر مند سا بیٹھا تھا۔

"اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار تو ضرور ہوگا بشام میں۔۔۔" وسامہ نے کہا۔

"میں نے پتا کیا ہے۔۔۔ لیکن سب لوگ جا چکے ہیں۔"

"سرخرو کے بارے میں پتا کرنا تھا۔۔۔ کیا واقعی اس پر۔۔۔ فلک بوس کے آسیب نے حملہ کیا تھا۔" وسامہ معصومانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

کبیر بابا ملازم تھے ایک بار اس سے جھاڑ کھا چکے تھے لیکن اس بار پھر ہمت کر کے بولے۔

"میں نے یہ بھی پتا کروایا ہے۔۔۔ وادی میں اس کے متعلق بھی کئی کہانیاں ہیں۔ کوئی کہتا ہے سرخرو اپنی محبوبہ سے ملنے رات گئے یہاں آیا کرتا تھا۔ جنگل کے کسی بھیڑیے نے اس پر حملہ کر دیا۔ سرخرو بچ تو نکلا لیکن اتنا خوف زدہ ہوا کہ ذہنی توازن کھو بیٹھا۔۔۔ پاگل پن کی حالت میں وہ کبھی بھیڑیے کا نام لیتا تھا کبھی آیوشمتی کا۔۔۔ لیکن کوئی بھی بات واضح نہیں تھی۔"

"اگر ایسی ہی بات ہے تو سرخرو کے گھر والے بشام سے کیوں چلے گئے؟"

"کم پڑھے لکھے، کمزور اعتقاد کے مالک ہیں صاحب! جو انہیں ٹھیک لگا وہ انہوں نے کیا۔۔۔ آدھی سے زیادہ آبادی ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔۔۔ ان کے یہاں تو ویسے بھی مانا جاتا ہے کہ جن روحوں کو مکتی (نجات) نہیں ملتی وہ ساری زندگی پھر دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں۔۔۔ جب کہ ہم مسلمان ہیں ہماری روحوں کو مکتی ملے یا نہ ملے قیامت تک قبر میں ہی رہنا پڑے گا۔" آخر میں انہوں نے ذرا ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا وسامہ بھی مسکرا دیا لیکن بات اس کے ذہن سے نکلی نہیں تھی۔

اسے ہر وقت ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہے اور یہ احساس شام کے بعد سے بڑھنا شروع ہو جاتا تھا۔ وہ جس راہ داری سے گزرتا، جس جگہ جا کر بیٹھتا اسے ایسا لگتا تھا جیسے دو آنکھیں مستقل اس کے پہرے پر لگی ہوئی ہیں اور اس کی ایک ایک حرکت ایک ایک جنبش کو نوٹ کر رہی ہیں۔ ایک بار پھر وسامہ نے اسے اپنے دماغ کا خلل سمجھا اور خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ سب اس کا وہم ہے لیکن یہ خیال اس کے ذہن میں زور پکڑ گیا جب آئے کت نے بھی اس کے وہم کی تائید کر دی۔ وہ اپنے ننگ کے کام میں بے حد مصروف رہتی تھی لیکن اس دوران اسے بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔

"ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔۔۔ عجیب سی وحشت ہونے لگی ہے۔۔۔ ایسا پہلے نہیں ہوتا تھا وسامہ!" وہ بڑی نڈھال اور اداس سی لگ رہی تھی۔ "کاش! اللہ ہمیں اولاد سے نواز دے تو یہ وحشت خود بخود ختم ہو جائے گی۔" وہ اپنے مسئلے اور اس کے حل سے بھی واقف تھی لیکن وسامہ کا مسئلہ اولاد نہیں تھا۔ اس کی الجھنیں کچھ اور تھیں جو دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

فلک بوس قلعہ نما بہت وسیع و عریض عمارت تھی جہاں بیک وقت کئی خاندان سما سکتے تھے۔ معاویہ کے مشورے پر جب آئے کت اور وسامہ نے یہاں آکر رہنا شروع کیا تو انہوں نے پورے فلک بوس میں رہائش اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ پورے فلک بوس پر تسلط رکھتے۔ اس لیے انہوں نے ایک الگ تھلگ حصے کو اپنی قیام گاہ بنا لیا تھا۔ صرف دوسری منزل کی اسٹڈی میں وسامہ چلا جاتا تھا اور اکثر صبح سے شام وہاں بیٹھ کر لکھتا رہتا تھا۔

لیکن کسی کا خود پر نظر رکھنے کا احساس جوں جوں زور پکڑتا گیا وسامہ نے اسٹڈی میں جانے کے اوقات بھی

گھٹا دیے۔ شام ہوتے ہوتے اسے وہاں عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگتی تھی اور یہ چیز اس کی کارکردگی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ وہ پبلشر کو اپنی زیر طبع کتاب کے ہفتے میں دو ڈرافٹ بھجوایا تھا اب دو ہفتوں میں ایک ڈرافٹ بھجوانے لگا۔ اور یہ بات خاصی پریشان کن صورت حال اختیار کرتی جارہی تھی کیونکہ وسامہ کے معاشی معاملات کا دارو مدار انہی پیسوں پر تھا جو اسے مختلف جرائد اور پبلشرز کے لیے لکھنے سے ملتے تھے۔ انہی معاملات سے پریشان ہو کر اس نے اپنا دھیان ہٹایا اور زیادہ سے زیادہ وقت کتب بینی کو دینے لگا مختلف کتابوں کے مطالعے سے اس کا ذہن کھلتا چلا گیا اور اسے زیادہ سے زیادہ لکھنے کے لیے تحریک ملنے لگی۔ وسامہ اس چیز سے خوش ہو گیا۔

لیکن یہ خوشی چند روزہ تھی۔ ایک سہ پہر اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے اس نے کسی چیز کے سرکنے کی دھیمی سی آواز سنی۔ اسٹڈی کی خاموشی میں یہ آواز نمایاں ہو کر اعصاب پر لگ رہی تھی۔ کتاب پڑھتا ہوا وسامہ پہلے متوجہ ہوا پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ غور کرنے سے اسے اندازہ ہوا یہ آواز لکڑی کی سطح پر کسی چیز کے گھسیٹے جانے سے پیدا ہو رہی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کی نظر سیدھی اپنی میز پر گئی اور وہ یہ دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا کہ میز پر پڑا ہوا تانبے کا آرائشی پیالہ اوندھا پڑا ہولے ہولے حرکت کر رہا تھا۔ یہ حرکت اتنی معمولی اور غیر واضح تھی کہ اگر اردگرد اتنی خاموشی نہ ہوتی اور آواز بلند نہ ہو رہی ہوتی تو وسامہ کا دھیان بھی اس طرف نہ جاتا۔ اب ایک طرح سے اس حرکت کو لرزش کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ اس کے دل میں ڈر کا ہلکا سا شعلہ دہکنے لگا۔ وسامہ اس پیالے کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا سوچتا رہا کہ آیا وہ واقعی ہل رہا ہے یا اس کی نظریں دھوکا کھا رہی ہیں۔ کوئی بھی جواب واضح نہیں ہو پا رہا تھا۔ تب ہی اچانک وسامہ نے جیسے غیر ارادی طور پر ہاتھ بڑھایا اور اس پیالے کے الٹے پیندے پر زور سے رکھ دیا۔ پیالہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ چند سیکنڈ وہ اسی طرح پیالے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہا پھر اس نے آہستگی سے ہاتھ ہٹا لیا۔ نظریں چوکنے انداز میں پیالے پر مرکوز کیے ہوئے تھیں۔ ایسے جیسے ہاتھ ہٹتے ہی اس کی حرکت کا مشاہدہ کرنا چاہتی ہوں لیکن ہاتھ ہٹنے کے بعد بھی پیالہ ساکت ہی رہا۔

وسامہ کا خوف قدرے کم ہو گیا پریشانی بڑھ گئی۔

اسی وقت آئے کت اس کے لیے چائے لے کر آئی۔ اس وقت تک وسامہ پیالے سے اپنی نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔

"وسامہ! میں کہہ رہی تھی..... آج ہمیں نیچے وادی کا چکر لگانا چاہیے۔" وہ بولتی ہوئی اندر آئی تو وسامہ کو پیالے کی طرف دیکھتا پایا۔

"کیا بات ہے؟ آپ پریشان کیوں ہیں؟" اس نے قریب آ کر چائے کا کپ سامنے میز پر رکھ دیا۔

"آں..... ؟ ہاں یہ پیالہ۔" وسامہ جیسے اس پیالے کی حرکت کے زیر اثر آ چکا تھا اس کیفیت سے نکلنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔

"یہ پیالہ ابھی ہل رہا تھا.....!"

"ہائیں..... ہل رہا تھا۔" آئے کت نے حیران ہو کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا ..... پیالہ ساکت تھا۔

"خود بخود ہل رہا تھا؟" آئے کت نے پیالے کو حرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر وسامہ کی آنکھوں اور لہجے میں خوف کی جو رمق تھی وہ اسے چونکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"ہاں۔"

"آپ کا وہم ہو گا وسامہ! بھلا پیالہ خود بخود کیسے ہل سکتا ہے؟"

"اسی لیے تو میں زیادہ حیران ہو رہا ہوں....."

کچھ دیر وہ دونوں خاموشی اور باریک بینی سے پیالے کی طرف دیکھتے رہے لیکن اس بار پیالے میں کوئی حرکت

نہیں ہوئی۔

"اچھا چھوڑیں ناں۔۔۔ آپ کا وہم تھا اور کچھ نہیں۔۔۔ آپ جلدی جلدی یہ چیپٹر پورا کرلیں پھر ہم وادی کی سیر کے لیے جائیں گے۔" آئے کت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے جیسے تم خوش رہو۔" وسامہ نے دھیان پیالے سے ہٹا کر کہا۔ آئے کت اپنی چودھویں کے چاند کی کرنوں جیسی مسکراہٹ اچھال کر باہر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی وسامہ کا دھیان دوبارہ پیالے کی طرف چلا گیا۔ وہ اسی طرح ساکت و صامت پڑا تھا لیکن وسامہ کو لگ رہا تھا ابھی اس میں حرکت شروع ہو جائے گی۔ چند لمحے اور گزرے اور پیالے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تو وسامہ نے ارتکاز دوبارہ کتاب کے صفحوں کی طرف لگانے کی کوشش کی۔ اسی وقت۔۔۔ ٹھیک اسی وقت پیالہ پھر لرزا۔ اس بار اس کی حرکت میں شدت تھی۔ وسامہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کا دل پیالے کی حرکت کے ساتھ ساتھ لرز رہا تھا۔

اچانک وسامہ کو پتا نہیں کیا ہوا اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیالہ اٹھالیا۔ نیچے سے ایک موٹا چوہا قید سے آزاد ہوا اور چھلانگ لگا کر وسامہ کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وسامہ بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھنے لگا لیکن اس کوشش میں اس کی کرسی پیچھے الٹ گئی۔ وہ سر کے بل کرسی سمیت پیچھے گرا۔ چوہا تیزی سے پھدکتا کہیں غائب ہو گیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہوا تھا۔ وہ بخود سا وسامہ زمین پر گرا ہوا تھا۔

کبیر بابا وہیں کہیں کسی کام میں مصروف تھے شور کی آواز سن کر دوڑے چلے آئے لیکن جوں ہی وہ کمرے میں پہنچے دنگ رہ گئے۔

زمین پر کرسی سمیت گرا ہوا وسامہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔ ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر چکا تھا اور ایسا لگتا تھا اس کی ہنسی قابو میں ہی نہ آرہی ہو اور یوں اتنے دنوں سے فلک بوس پر چھائی ہوئی خوف کی فضا چھٹ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

بروکلن کا پارک اسی طرح پر رونق اور آباد تھا جس طرح ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔

جاگنگ ٹریک پر دوڑتی ہوئی منفرا نظر آرہی تھی آج اس نے سبز رنگ کا ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا اور اس کی اونچی پونی ٹیل دور سے ہی آگے پیچھے ہلتی نظر آرہی تھی۔ اس نے آج ٹریک کے دو چکر لگائے تھے۔ تیسرا چکر پورا کرکے وہ گھاس کے قطعے پر اتر آئی اور چلتی ہوئی آکر بینچ پر بیٹھ گئی۔ جاگنگ کرنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی اور خوشگوار موسم کے باوجود اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

بینچ پر بیٹھ کر اس نے اپنے کانوں سے ہیڈ فون اتارے۔ موبائل فون پر لگا ہوا ٹریک بند کیا اور اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر بینچ کی پشت پر سر رکھ کر ستانے لگی۔ سفیدے کے درختوں کے سائے میں خاموشی سے اس طرح بیٹھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

کچھ دیر اسی طرح گزری پھر اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی وہاں سے پورا پارک دکھائی دیتا تھا۔ منفرا نے تمام ٹریکس پر متلاشی نظر دوڑائی۔ پارک کا داخلی دروازہ اور پچھلی طرف کا چھوٹا دروازہ بھی دیکھا لیکن معاویہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا اور آج دسواں دن تھا معاویہ اسے نظر نہیں آیا تھا اور یہ حیران کن بات تھی۔ مارکیٹ اور سب وے پر نظر آجانا ایک اتفاق ہو سکتا تھا لیکن پارک ایک ایسی جگہ تھی جہاں منفرا کی طرح وہ بھی روزانہ آنے والوں میں شمار ہوتا تھا۔ اکثر ہی آمنا سامنا ہو جاتا ایسے میں اس کا نظر نہ آنا یقیناً "حیرانی کی بات تھی یا کم سے کم منفرا کو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

بہرحال معاویہ کا پارک نہ آنا منفرا کو عجیب سی فکر مندی میں مبتلا کر رہا تھا۔ ان گزرے ہوئے دس دنوں میں بھی اس نے معاویہ کی کمی کو محسوس کیا تھا اور بار بار اس کے بارے میں سوچا تھا۔ مگر اس بار وہی تمام باتیں سوچتے ہوئے وہ جھنجلا گئی اور اس نے دل ہی دل میں خود کو ٹوکا۔

میں فی بی سے کہتی ہوں' ہیبن سے معاویہ کے بارے میں پوچھے۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ فی بی میرا مذاق اڑائے گی۔

اس نے خود ہی اپنا خیال رد کر دیا۔

لیکن وہ اتنے دن سے پارک نہیں آیا۔۔۔ مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ بیمار ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے وہ کسی مشکل کا شکار ہو۔۔۔ اوہ what the hell (کیا مصیبت ہے) اسے تو میرا نام بھی معلوم نہیں ہو گا اور میں اس کے بارے میں فکر مند ہو رہی ہوں۔۔۔ یہ بے وقوفی کی انتہا ہے۔

سوچتے ہوئے اس نے اپنے سر پر چپکے سے ایک چپت بھی لگائی۔ پھر سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور جاگنگ کرتی پارک کے بیرونی راستے کی طرف چلی گئی۔

چند دن مزید سرک گئے معاویہ نے پارک کا رخ نہیں کیا۔

منفرا نے حتی المقدور کوشش کی کہ وہ معاویہ کے بارے میں نہ سوچے اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہی اور جب اسے یقین ہو گیا معاویہ اس کے ذہن سے نکل چکا ہے تو اسے وہ نظر آ گیا۔ وہیں پارک کے جاگنگ ٹریک پہ۔

منفرا کے دل نے بے ساختہ ایک بیٹ مس کی۔ پتا نہیں کیوں لیکن معاویہ کو دیکھتے ہی وہ مسرور ہو گئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بھی تسلی ہوئی تھی کہ وہ ٹھیک ہے اور اتنے دن کی غیر حاضری کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے۔ وہ دونوں ایک ہی جاگنگ ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے مختلف سمتوں سے ایک دوسرے کی طرف آ رہے تھے۔ عنقریب ان دونوں کا آمنا سامنا ہونا تھا۔ اس خیال نے منفرا کے جسم میں سنسنی سی دوڑا دی۔ خیر سگالی جذبات کے تحت وہ کچھ اور خوب صورتی سے مسکرانے لگی۔ اس کی پونی ٹیل زور زور سے ہل رہی تھی اور پونی کا سرا اس کی گردن سے بار بار ٹکرا رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں وہ جملہ بھی تیار کر لیا جو آمنے سامنے پہنچنے پر اسے معاویہ کے سامنے ادا کرنا تھا اور جس کے ذریعے اس کی خیریت معلوم کرنی تھی۔ لیکن جوں ہی وہ اس کے قریب پہنچی معاویہ لاتعلقی سے ایک بھی نظر اس پر ڈالے بغیر آگے بڑھ گیا۔

منفرا کی مسکراہٹ پہلے حیرانی میں ڈھلی اور پھر جھینپ کر بالکل ہی غائب ہو گئی۔

کافی عرصے سے وہ دونوں اس پارک میں آ رہے تھے اکثر ہی ایک ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے آمنا سامنا ہو جاتا تھا ایسے میں جان پہچان نہ سہی۔ آنکھوں میں شناسائی تو نظر آ ہی جاتی ہے لیکن معاویہ نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

یہ سوچ سوچ کر منفرا کو اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی جتنی شرمندگی اسے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

✡ ✡ ✡

صبح فضل منزل کے مرکزی کچن میں رونق لگی ہوئی تھی۔ سب کے پورشن میں الگ الگ کچن تھے لیکن وہ کچن صرف چائے پانی جیسے کاموں کے لیے استعمال ہوتے تھے' باقی سارے ناشتے کھانے جیسے بڑے کام اسی کچن میں انجام دیے جاتے تھے۔

جس وقت خوش نصیب نیند کے بوجھل پن سے آنکھیں ملتی اندر داخل ہوئی گھر کی آدھی عوام ناشتے سے

فارغ ہو چکی تھی جبکہ اس وقت کوئی "تازہ خبر" زیر بحث تھی اور جب عورتیں بحث کرنا شروع کرتی ہیں تو کان پڑی آواز سنائی دینا مشکل ہوتا ہے۔

خوش نصیب نے کسی کو بھی ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ کیف اور عرفات ماموں میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ وہ سیدھی ان کے پاس ہی آگئی۔

"السلام علیکم ماموں!"

"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتی رہو۔"

"مجھے بھی سلام کرو۔۔۔ بڑا ہوں تم سے۔" کیف کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا اسے چڑانے کا۔

"السلام علیکم۔۔۔" ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام جھاڑا۔

اس تابعداری پر جہاں عرفات حیران ہوئے وہیں کیف ہنس دیا۔

"خیریت تو ہے؟ تم اور کیف کی بات اتنے آرام سے مان لو۔۔۔ کہیں سورج مغرب سے تو نہیں نکل آیا آج۔" انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"ہاہاہا۔۔۔ مغرب سے کیوں نکلے گا' سورج مشرق سے ہی نکلا ہے اور یہ آپ نے کیسی بات کہہ دی؟ میں تو ہمیشہ کیف کی ہر بات مان لیتی ہوں۔۔۔ یہ ہے ہی اتنا اچھا ہمیشہ صحیح بات کرتا ہے۔" وہ واری صدقے جانے والی نظروں سے کیف کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ اب کیف سے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ عرفات بھی اس کے ساتھ ہنسے تھے۔

"خوش نصیب اب اکثر میری تعریف کیا کرے گی۔" کیف نے خوش نصیب کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو نہیں پتا۔۔۔ ہماری دوستی ہو گئی ہے۔"

"واقعی؟" وہ ہنسے۔ "یہ حادثہ کب ہوا؟"

"ہائے ہائے۔۔۔ حادثہ تو نہ کہیں۔۔۔ آپ کو تو پتا ہے میں کتنی سیدھی سادی اور معصوم سی ہوں۔۔۔ جھگڑا تو ہمیشہ یہ کیف۔۔۔ مم' میرا مطلب ہے کیف تو جھگڑا کرتا ہی نہیں ہے۔۔۔ میں ہی کرتی ہوں۔۔۔ اب سے وہ بھی نہیں کروں گی۔" دانت نکال کر بولی۔

"بالکل بالکل۔۔۔ تم دونوں سے زیادہ صلح جو تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔" وہ اپنی چائے کا کپ لے کر کھڑے ہو گئے اور کیف سے بولے۔ "جب فرصت ملے تو حقیقت حال سے آگاہ کر جانا۔۔۔ اتنا امن مجھے ہضم نہیں ہو رہا۔"

وہ مسکرا کر بولے تھے۔ دھیما سا تبسم لبوں پر سجائے باہر نکل گئے۔ کیف البتہ ان کی بات سمجھ کر زور سے ہنس دیا اور اثبات میں سر بھی ہلا دیا۔ اور جب وہ چلے گئے تو خوش نصیب کو دیکھنے لگا۔ مسکراتے ہونٹ' چمکتی ہوئی معنی خیز آنکھوں کے ساتھ۔

"تمہارا منہ جھوٹ بولنے پر سارا دن طبیعت خراب رہ سکتی ہے۔۔۔ اس لیے سوچ سمجھ کے بولا کرو۔"

"میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔ بولوں گی بھی کیوں؟"

"اچھا۔۔۔" اس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ کہنی میز پر اور بند مٹھی تھوڑی کے نیچے جمائی اور اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"اچھا۔۔۔ تو کھاؤ اپنے سر کی قسم کہ دوبارہ مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گی۔"

خوش نصیب کی جان مشکل میں آگئی۔ سٹپٹا سی گئی۔

"اس سے تو اچھا تھا یہ ساری زندگی ساتھ جینے مرنے کی قسم لے لیتا۔۔۔ اب جھگڑا نہ کرنے کی قسم کون کھائے؟" وہ بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔ "تمہارے سر کی قسم کھا لیتی ہوں نہ۔"

"اتنا فالتو نہیں ہے میرا سر کہ تمہاری جھوٹی قسموں کی نذر ہو۔" کیف نے فوراً" آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

"اُفوہ۔۔۔" وہ جھنجلا گئی۔ "کہہ جو دیا ہے کہ نہیں کروں گی جھگڑا تو بس نہیں۔۔۔ لیکن تم کیوں مجھے ایسے دیکھ رہے ہو؟ توبہ ہے ایک تو کسی کو میری بات پر یقین نہیں آتا۔"

"یقین وہ کرے جو تمہیں جانتا نہ ہو۔۔۔" وہ مسکراتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "لیکن خیر مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے، مجھ سے جتنے مرضی جھگڑے کرو کرتی رہو۔۔۔ میں تو مستقبل قریب کا نقشہ دیکھ رہا ہوں بلکہ سمجھو فلم چل رہی ہے میری آنکھوں کے سامنے۔۔۔" خلا میں دیکھتا وہ جیسے واقعی مستقبل کا کوئی منظر دیکھنے لگا تھا۔

خوش نصیب پہلے حیران ہوئی پھر اس کے اندر کا تجسس جاگا۔

"کیسی فلم؟ کیا بات کر رہے ہو کیف؟"

"وہ دیکھو۔۔۔" اسی طرح خلا میں دیکھتے ہوئے خواب ناک آواز میں اس نے دور کہیں خلا میں ہی اشارہ کیا تھا۔

خوش نصیب اس طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔

"وہ دیکھو آج سے چند سال بعد لیکن اسی گھر کا منظر ہے۔ میں ایسا ہی گبھرو جوان ہینڈسم سا لیکن سر جھکائے کھڑا ہوں، تھوڑی دور ایک پانچ چھ سال کی بچی بیٹھی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔ اب دوسری طرف آجاؤ۔۔۔ نہیں رائیٹ سائیڈ پر نہیں لیفٹ سائیڈ پہ۔۔۔ تم وہاں کھڑی ہو۔۔۔ ہاں وہیں دروازے کے پاس موٹی تازی جیسے گول مٹول سی فٹ بال۔۔۔ پاس کاٹ میں منا سو رہا ہے اور تم مجھ سے جھگڑا کر رہی ہو۔۔۔ پورا محلہ تمہاری آواز سن رہا ہے۔۔۔ میں ہینڈسم لیکن مسکین معصوم شوہر کی طرح سر جھکائے کھڑا ہوں۔۔۔ اور تم جھگڑالو۔۔۔ نک چڑھی بدزبان بیوی کی طرح۔۔۔ واؤ۔۔۔ ایک پرفیکٹ فیملی کا سین ہے۔" وہ اس منظر میں اس قدر ڈوب چکا تھا کہ ایسا لگتا تھا وہیں پہنچ گیا ہے۔

خوش نصیب پہلے تو سمجھی نہیں اور جب سمجھ گئی تو اس کا چہرہ ایسے لال ہونے لگا جیسے کارٹون موویز میں تھرما میٹر کا درجہ حرارت بڑھنے سے پارہ لال ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے تھرما میٹر پھٹ جاتا ہے تو خوش نصیب بھی پھٹنے کے قریب تھی۔

کیف نے اس کی طرف دیکھا اور ڈر گیا۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟"

"تم۔۔۔ تم انتہائی فضول انسان ہو۔" اس نے دانت اس حد تک کچکچائے کہ ایسا لگا دانت ٹوٹ ہی جائیں گے اور وہ اس قدر زور سے بولی تھی کہ سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" سب کی زبان پر ایک ہی سوال ابھر آیا۔ کیف ہنس ہنس کر دہرا ہو گیا۔

"خوش نصیب کو چند سال بعد کا منظر بتا رہا تھا۔۔۔ اس نے ابھی سے سین کری ایٹ کرنا شروع کر دیا۔۔۔" اس کی ہنسی رکنے کا نام نہ لے رہی تھی اور خوش نصیب کا بس نہ چلتا تھا اس کی گردن ہی چبا ڈالے۔ وہ اٹھی اور پاؤں پٹختی کچن سے باہر نکل گئی۔

"کیسا سین؟" جملہ خواتین حیران۔ "ان دونوں کو کیا ہوا؟"

ہنستے ہنستے کیف کی آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا تھا اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

"کچھ نہیں۔۔۔ آپ لوگ نہیں سمجھیں گے۔" وہ ابھی بھی ہنس رہا تھا اور واقعی مستقبل کا وہ منظر دیکھ رہا تھا جہاں ان دونوں کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہونے والے تھے۔

☼ ☼ ☼

کچھ دیر گزرنے کے بعد منزا خود ہی اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

"تم میری عقل چیک کرو... اتنا مسکرا مسکرا کر اس کے پاس جا رہی تھی جیسے پتا نہیں ہماری کتنی پرانی شناسائی ہو۔" اس نے اپنی عقل کے اس عظیم مظاہرے پر ہنستے ہوئے اور ظاہر ہے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

فی بی اس کی بات پر ہنسنے میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"اب میں نے اسے نوٹس کیا ہوا ہے تو ضروری تھوڑی ہے کہ اس نے بھی مجھے نوٹس کیا ہو... پارک میں لوگ واک کرنے آتے ہیں اس بات کا خیال رکھتے نہیں کہ وہاں کون آ رہا ہے کون نہیں۔" فی بی کو بتاتے ہوئے وہ خود اپنے آپ پر ہنس رہی تھی۔

فی بی ابھی اپنے لیے نوڈلز بنا کر لائی تھی اور اب کاؤچ پر نیم دراز مزے سے کھا رہی تھی۔ منزا کے خاموش ہونے پر اس نے بڑا سا نوالہ کھاتے ہوئے ابرو اچکا کر منزا کو دیکھا۔ وہ دوسرے کاؤچ پر بیٹھی نیچے کو جھکی اپنے جوگرز کے تسمے کھول رہی تھی اور مسلسل خود پر ہنس رہی تھی اور بول رہی تھی۔

"ان فیکٹ وہ بندہ اتنا لاتعلق اور سرد مہر لگتا ہے کہ اس نے میری تو کیا پارک میں آنے والے کسی دوسرے فرد کی موجودگی کو بھی محسوس نہیں کیا ہوگا... ایسا سوچنا بھی حماقت تھی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے اٹھی اور الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

فی بی اس کی پشت پر نظریں جمائے جیسے کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کی سوچ کا محور منزا اور معاویہ ہی تھے۔

"یمی سچ کہتی ہے... وہ esthatic sense (حسِ لطیف) سے عاری انسان ہے۔"

"لیکن وہ ہینڈسم ہے... کسی بھی لڑکی کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنا بھول سکتا ہے۔" فی بی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بات یمی کو بتاؤ... میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنا بھولا ہو۔" اس نے الماری بند کر دی۔ فی بی اسے پر سوچ نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

کیف چائے کا کپ ہاتھ میں لیے خوش نصیب کے پیچھے آیا۔

"نصیبن! اری او میری نصیبن!"

وہ رک بھی گئی اور پلٹ کر اسے گھورا بھی۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے اس طرح مت بلایا کرو... خوش نصیب نام ہے میرا۔"

"اتنا لمبا نام لیتے میرا منہ تھک جاتا ہے... اس لیے پیار سے نصیبن کہہ دیتا ہوں... کیوں تمہیں اچھا نہیں لگتا۔" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔" اس نے گھور کر دیکھا۔

"اچھا... جا کہاں رہی ہو... بات تو سنو۔" اس نے ہنسی دبائی۔

"کیا تکلیف ہے؟" کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"تکلیف تو دل میں ہے... وہ کیا کہتے ہیں اسے؟ ہاں دردِ محبت۔" وہ چائے گرنے سے بچانے کی کوشش کرتا تیز قدموں سے چلتا اس کے پاس آ گیا۔

"کیف! میں تمہیں قتل کر دوں گی۔" اس نے انگلی اٹھا کر دانت کچکچا کر کہا۔ "تم دیکھ لینا میں کسی دن واقعی تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"پہلے ابو سے بات کر لینے دو، اس کے بعد بے شک قتل کر دینا۔" اب وہ ذرا سنجیدہ ہوا۔ "اچھا سنو... ابو اور امی

کو میں راضی کر لوں گا کہ جتنے دن فضیلہ چچی کا مہمان یہاں رہے گا تم لوگ ہمارے پورشن میں رہو گے۔۔۔ روشن چچی کو منانا تمہاری ذمہ داری۔"

"ان کی فکر تم نہ کرو۔۔۔ میں منالوں گی۔" وہ بھی جھگڑا بھول گئی۔ "اور روشن امی کیوں نہیں مانیں گی؟ تمہارے کمرے میں میلی جرابوں کی بدبو آتی ہے لیکن کبوتروں کی اسمیل والے کمرے میں رہنے سے تو یہ سو درجے بہتر ہو گا۔" پر سوچ انداز میں کیف نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ایسی بات ہے تو ابو اور امی کو بھی تم ہی منالو۔"

"ہائے ہائے۔۔۔ تم تو برا ہی مان گئے۔۔۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔۔۔ تمہارے کمرے سے تو خوشبو آتی ہے۔۔۔ وہ بھی چوبیس گھنٹے۔" دانت نکالے۔

کیف اسے گھور کر بولا۔ "تم باہر ہی رہنا۔۔۔ میں ابو کے پاس جا رہا ہوں۔"

صابر احمد برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ کیف چائے لے کر ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

خوش نصیب کی طبیعت میں سکون نہیں تھا۔ ٹہلتی اندر ٹی وی لاؤنج میں آگئی۔ یہاں سے ایک کھڑکی برآمدے میں کھلتی تھی اس نے کھڑکی کا پٹ سرکایا اور پردے کی اوٹ میں ہو کر باہر کی آوازوں پر کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔

کیف نے اسے اندر ہی رہنے کی تاکید کی تھی لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو ایک بار میں کہی ہوئی بات مان لے۔

نرم گرم سی دھوپ برآمدے کی چھت کے ڈیزائن سے چھن چھن کر آرہی تھی اور فرش پر کھیل رہی تھی۔ منی پلانٹ کی بیلیں ستونوں سے لپٹی ہوئی تھیں اور دھوپ سے خوب چمک کر تروتازہ محسوس ہوتی تھیں۔ صابر احمد نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے ایک نظر کیف کو دیکھا۔

"تم کوئی بات کرنا چاہ رہے ہو؟"

کیف نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا لحظہ بھر کو سوچا پھر بولا۔ "جی ابو!"

"ہاں بولو۔" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "خیریت تو ہے ناں۔۔۔ پیسے چاہئیں؟"

"نہیں۔۔۔ پیسے بہت ہیں میرے پاس۔"

"ہاں بھئی۔۔۔ اب تو خود کمانے لگ گئے ہو۔۔۔ اب تمہیں باپ کی دی ہوئی پاکٹ منی کی کیا ضرورت ہے۔" انہوں نے شرارت سے کہا کیف ہنس دیا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ جتنے میں کماتا ہوں وہ آپ کی دی ہوئی پاکٹ منی کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتا۔۔۔ ہاں بس دل کو تسلی ضرور رہتی ہے کہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ بہت اچھی بات ہے۔" انہوں نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے اسے سراہا۔ "میں اپنے دوستوں کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں۔۔۔ کچھ تو تم سے بڑی عمر کے ہیں لیکن احساس ذمہ داری نام کو بھی نہیں ہے۔۔۔ لیکن تم ماشاء اللہ میرے بہت لائق اور سمجھ دار بیٹے ہو۔۔۔"

صابر احمد کے منہ سے نکلنے والے تعریفی جملوں کے ساتھ ساتھ کیف کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

"کھڑکی کی اوٹ میں کھڑی خوش نصیب دانت پیسنے لگی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میری مدد کر رہا ہے مگر اب کوئی ایسا بھی لائق سمجھ دار نہیں ہو گیا یہ کیف کا بچہ۔۔۔ کہ تایا ابو تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے۔۔۔ اونہہ۔" جوش جذبات سے وہ ذرا آگے ہوئی۔

"ابو۔۔۔ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا۔۔۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں بولو۔"

اسی وقت کیف، جو صابر احمد کے سامنے تمہید باندھ رہا تھا اس کی نظر خوش نصیب پر پڑ گئی۔ وہ گڑبڑا کر اپنی جگہ

سے دو فٹ اوپر اچھلا۔ اسے خوش نصیب سے ایسی دلیری کی توقع نہیں تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ ابا۔۔۔ مم۔۔۔ میں" بے چارہ بھول ہی گیا کیا کہنے آیا تھا۔ صابر احمد اس معاملے میں سخت مزاج تھے اگر انہیں بھنک بھی پڑ جاتی کہ خوش نصیب ان کی اور کیف کی باتیں سننے کی غرض سے کھڑی ہوئی ہے تو خوش نصیب کی بنا ٹکٹ باری آجاتی تھی۔ ایسی اس کی طبیعت صاف کرتے کہ لگ پتا جاتا۔

"کیا ہوا تم کھڑے کیوں ہو گئے۔۔۔؟" تعجب سے پوچھا۔ "بیٹھ کر آرام سے بات کرو۔"

"پھر کبھی ابو۔۔۔" وہ بری طرح سٹپٹایا ہوا تھا خوش نصیب اسے اشارے کر رہی تھی کہ وہ بیٹھ جائے اور بات جاری رکھے۔ کیف کو فکر تھی اگر خوش نصیب کی یہاں موجودگی سے کوئی واقف ہو گیا تو ایک منٹ میں بات بنالی جائے گی کہ وہ کیف کو سمجھا بجھا کر اپنے حق میں کرتی ہے۔ فضیلہ چچی تو ایسے موقعوں پر "قابو میں کیا ہوا ہے"۔ ٹائپ جملے بولنے سے بھی نہیں چوکتی تھیں۔ جب کہ کیف خوش نصیب کے لیے مزید کسی ذہنی آزار کا باعث بننا نہیں چاہتا تھا وہ اسے زندگی میں آسانیاں دینا چاہتا تھا۔

خوش نصیب یہ بات نہیں سمجھتی تھی وہ من مانی کر کے بنتے کام بگاڑ دینے کی ماہر تھی۔

کیف گھبراہٹ میں مسلسل کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا صابر احمد کھٹک گئے انہوں نے کیف کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا خوش نصیب ایک دم سے اوٹ میں ہو گئی۔

"بات کیا ہے کیف!" صابر احمد اب اخبار سمیٹ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کک۔۔۔ کوئی بات نہیں ہے ابو!"

"میں تمہارا باپ ہوں، میرے باپ بن کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔۔۔ یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے تفصیل سے بتاؤ۔" انہوں نے ایک منٹ میں اس کے سارے دلائل رد کر دیے تھے۔

کیف ناچار بیٹھ گیا۔ دل میں دعا کر رہا تھا کہ خوش نصیب کوئی بے وقوفی نہ کرے۔

"میں آپ سے روشن چچی کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے لیکن مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں بولو۔۔۔ کیا ہوا ہے روشن کو؟"

"نہیں۔۔۔ روشن چچی کو کچھ نہیں ہوا۔۔۔" اس نے کہا۔ "ابو! آپ کو نہیں لگتا ان کا پورشن خالی کروا کے ہم سب ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔"

صابر احمد نے دائیں ٹانگ بائیں پر رکھی اور سنجیدگی سے بولے۔

"نہیں۔۔۔ مجھے ایسا نہیں لگتا۔"

کیف مایوس ہوا لیکن وہ ایسے ہی جواب کی توقع کر رہا تھا۔

"فضیلہ چچی کو اپنے مہمان کو اپنے پورشن میں ٹھہرانا چاہیے۔۔۔ اور پھر ایک مہمان کے لیے پورا پورشن خالی کروانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مہمانوں کے لیے ہمیں ایک گیسٹ روم بنوانا ہی تھا۔۔۔ اب باسط کے پورشن کو رینو کروالیں گے۔۔۔ شفیق نے کہا ہے وہ اپنی ذمہ داری پر پورا پورشن رینو کروائے گا۔"

"لیکن ابو! اوپر والے کمرے کی حالت تو ایسی نہیں ہے۔۔۔ کہ وہاں روشن چچی، ماہ نور، خوش نصیب اور نانی رہ سکیں۔" اس نے احترام کے ساتھ کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کیوں نہ وہ چاروں میرے کمرے میں شفٹ ہو جائیں۔"

"ہوں۔۔۔" صابر احمد نے کچھ دیر سوچا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔۔ لیکن میرا خیال ہے تمہاری ماں راضی نہیں ہو گی۔"

"آپ مان گئے تو امی کو میں منالوں گا۔"

"کیوں اپنے لیے اتنے دردِ سر مول لیتے ہو کیف.....!"

"دردِ سر نہیں ہے ابو! احساسِ ذمہ داری ہے....."

وہ اثبات میں سر ہلانے لگے جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے ہوں پھر مسکرانے لگے اور بولے۔

"میں تمہارے احساسِ ذمہ داری کی قدر کرتا ہوں کیف! لیکن میرا خیال ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ روشن اور اس کی بیٹیوں کے لیے اوپر کا وہ ایک کمرہ ہی کافی ہے۔" انہوں نے بے حد آرام سے کہہ دیا۔

کھڑکی کی اوٹ میں کھڑی خوش نصیب ایک دم سے مایوس ہوئی۔ یہی صورت حال کیف کی تھی۔ وہ بہت اعتماد کے ساتھ آیا تھا کہ اس کی بات مان لی جائے گی۔

"لیکن ابو....." اس نے کہنے کی کوشش کی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں..... ان لوگوں کی ضروریات ہی کتنی ہیں کہ انہیں پورا پورشن دیا جائے..... جہاں تک ہمارے پورشن میں رہنے کی بات ہے تو ہر ایک کی اپنی پرائیویسی ہوتی ہے میرا نہیں خیال روشن بھابھی یہاں آکر رہنا چاہیں گی۔"

"میں ان سے بات کرلوں گا۔"

"ذرا فہمینہ سے کہنا مجھے ایک کپ چائے دے جائے۔" انہوں نے دوبارہ اخبار کھول لیا' یہ اس بات کا واضح اظہار تھا کہ اب دفع ہو جاؤ۔

خوش نصیب کا دل ٹوٹ گیا اگلے ہی پل اس نے ناراضی اور غصے سے پردہ چھوڑ دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔

کیف مایوس سا سر جھکا کر اندر سے نکلا۔

☆ ☆ ☆

اس روز منفرا بیدار ہوئی تو بروکلن ہائیٹس پر ایک اور چمکتا ہوا دن طلوع ہو چکا تھا۔ اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تو طبیعت پر چھائی ہوئی سستی دور ہو گئی۔ وہ پارٹ ٹائم میں ایک گروسری اسٹور پر کام کرتی تھی پچھلی رات اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی اس لیے صبح معمول کے برعکس وہ دیر سے بیدار ہوئی تھی۔ اب دیر سے اٹھی تھی جاگنگ پر تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس روز اس کا ارادہ میوزیم جانے کا بھی تھا اور ایک چمکتے ہوئے دن کے لیے یہ ایک اچھا پروگرام ثابت ہو سکتا تھا۔

پچھلی رات اسے ڈاکٹر رہمسن کا پیغام ملا تھا۔ وہ شہر کے بہترین سائیکاٹرسٹ اور ان کے ڈپارٹمنٹ کے ڈین تھے۔ انہوں نے کہا تھا چونکہ آج وہ اپنی سائیکائٹری سے وابستہ مصروفیات کی وجہ سے کالج نہیں آسکیں گے اس لیے اگر منفرا کو وقت نہ ہو تو وہ ان کے پاس ان کے سائیکائٹرک کلینک آجائے۔ تاکہ مزید وقت ضائع کیے بنا اس کے فائنل ایئر کے ریسرچ ورک کو ڈسکس کر لیا جائے۔ منفرا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے راستے گننا شروع کیے تو اندازہ ہوا ڈاکٹر رہمسن کی سائیکائٹری میوزیم کے راستے میں ہی ہے۔ منفرا نے سوچا وہ ایک ساتھ دو کام نمٹا لے گی۔

اس مقصد کے لیے اس نے نفی بی کی سائیکل بھی ادھار لے لی۔

جس وقت وہ تیار ہو کر ہاسٹل سے نکلی۔ اپنا بیگ کمر پر لٹکائے اونچی پونی ٹیل جھلاتی ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں سائیکل ہوا سے باتیں کرنے لگی تب ہی اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے مشاقی سے سائیکل چلاتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا۔ مام کی کال تھی۔ منفرا نے پہلے ہیڈ فون کانوں میں ٹھونسا پھر کال اٹینڈ کر کے موبائل دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ اور سارا راستہ مام سے باتیں کرتے ہوئے عبور کیا۔ ان کا اصرار تھا منفرا کچھ دن کے لیے مونٹوک آئے اور ان کے پاس قیام کرے۔ وہ اداس ہو رہی تھیں اور ارادہ رکھتی تھیں کہ منفرا کی آمد پر اس کی پسند کی ہر چیز بنائیں گی۔

منفرا نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اگلے ویک اینڈ پر ضرور مونٹوک آئے گی۔ مام سے بات کرنے کے دوران اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا جب اس نے فون بند کیا تو وہ اپنے طے شدہ وقت سے بیس منٹ لیٹ ہو چکی تھی اور یہ اس کی سنگین کوتاہی تھی جسے پروفیسر رہمسن جیسا وقت کا پابند انسان یقیناً "معاف کرنے پر راضی نہ ہوتا۔ منفرا گویا ہوا سے باتیں کرتے ہوئے سائیکل چلانے لگی۔

ڈاکٹر رہمسن کا کلینک 'ایڈمز ٹاور' کی دوسری منزل پر تھا۔ منفرا نے سائیکل پارکنگ میں لگائی اور بذریعہ لفٹ دوسری منزل پر پہنچی۔ سائیکائٹری میں اس روز زیادہ رش نہیں تھا۔

"آپ لیٹ پہنچی ہیں میم!" ریسپشنسٹ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"جانتی ہوں..." منفرا نے ناک چڑھا کر کہا۔ "کیا اگلا پیشنٹ اندر جا چکا ہے؟" اس نے بڑی امید سے پوچھا کہ شاید جواب نہ میں ملے۔

"نہیں۔"

"یس... یہ ہوئی نا بات۔" وہ خوش ہو گئی۔ "کیا میں اندر جا سکتی ہوں؟"

"مسٹر رہمسن ابھی مصروف ہیں... آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔" ریسپشنسٹ نے مسکرا کر اس سے کہا۔ منفرا پہلے بھی دو چار بار یہاں آچکی تھی اس لیے ریسپشنسٹ جانتی تھی کہ وہ ڈاکٹر رہمسن کے پسندیدہ طالب علموں میں سے ہے۔

منفرا مایوس سی ہو گئی۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگلے پیشنٹ سے پہلے مجھے پروفیسر سے بات کرنے کا موقع مل جائے؟" منفرا نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے لجاجت سے پوچھا تھا۔

"یہ ممکن نہیں ہے میم! آپ جانتی ہیں مسٹر ریمسن اپنے پیشنٹس کے معاملے میں کتنے پکے ہیں۔"

اب انتظار کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ناچار وہ ویٹنگ روم میں آکر بیٹھ گئی۔ تقریباً" آدھا گھنٹہ اسے انتظار کرنا پڑا یہ وقت اس نے جمائی لیتے ہوئے گزارا پھر ریسپشنسٹ نے اسے اندر جانے کا عندیہ دیا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوئی اور ایسے اندر داخل ہوئی جیسے گیٹ بند ہو جانے کا خطرہ ہو۔

"گڈ مارننگ پروفیسر! امید کرتی ہوں میرے دیر سے پہنچنے کا آپ نے برا نہیں منایا ہو گا۔" وہ اندر داخل ہوئی اور جلدی سے بولتی چلی گئی۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ کیونکہ مجھے اب عادت ہو چکی ہے۔" پروفیسر ریمسن نے خیر سگالی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

منفرا کھلکھلا کر ہنسی۔ "آفٹر آل میں آپ کی سب سے لائق اور ذہین اسٹوڈنٹ ہوں۔"

"آف کورس۔۔۔" پروفیسر صاحب متانت سے مسکرائے پھر بولے۔ "او! میں آپ لوگوں کا انٹروڈکشن کروادوں۔"

اس بات پر پہلی بار منفرا کو اندازہ ہوا کمرے میں پروفیسر اور اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ اس نے اس تیسرے شخص کی طرف دیکھا اور اس کا دل ایک لمحے کے لیے تھم کر بحال ہوا۔

"ان سے ملو مس منفرا! یہ معاویہ شیرازی ہیں۔ انڈسٹریل مشینری کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔ اتنی سی عمر میں بزنس میں بہت نام کمالیا ہے۔۔۔ اور تمہیں پتا ہے پچھلے سال ان کی کمپنی کو بہترین کارکردگی پر stevie ایوارڈ ملا تھا۔"

پروفیسر ریمسن بڑے متاثر کن انداز میں اسے بتارہے تھے۔

معاویہ ان کی بات سن کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی سرد مہر آنکھیں جیسے کہیں غائب ہو چکی تھیں اور وہ بڑی خوش دلی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے نقوش پارک والے معاویہ سے ملتے تھے آنکھوں کے تاثرات نہیں۔ منفرا نے دل میں سوچا۔

"کم آن ڈاکٹر! آپ میری بہت تعریف کر رہے ہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا لیکن انداز میں جھینپ بھی تھی۔

"وہ اس لیے کیوں کہ میں تم سے بہت متاثر ہوں۔۔۔ اتنی سی عمر میں اتنی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں کہ میری عمر کے لوگ تم سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے ہیں۔" اس بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر منفرا کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو۔۔۔ آئی ایم معاویہ!" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ منفرا نے اپنا ننھا سا ہاتھ اس کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ معاویہ نے خیر سگالی کے تحت اس کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا اور منفرا کو ایسا لگا اس کی ساری جان سمٹ کر ہتھیلی میں قید ہو گئی ہو۔ صرف یہی نہیں معاویہ کی مسکراہٹ منفرا کے دل پر اوس بن کر برسنے لگی تھی۔ ٹھنڈی میٹھی اور پرسکون کر دینے والی۔

"ہیلو۔۔۔ میں منفرا ہوں۔۔۔ منفرا سکندر۔" اس نے خود کو کہتے سنا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)